حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ امامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنامہ

مئی ۲۰۱۰ء

دقائق اسلام

سرگودھا

بحق محمد و آل محمد صل علی محمد و آل محمد و عجل فرجھم

زیرِ انتظام

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا فون: 048-3021536

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

۞ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور جزا کے عالم میں سمانا ہے۔ یہاں جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے۔ خوش نصیب ہیں، وہ افراد جنھوں نے اپنے مُستقبل پر غور کیا اور اس چند روزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زیست ہو گئی۔

۞ آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامۂ اعمال میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حسبِ حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

۞ ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ عِلمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا بھی ہے۔ آپ اپنے قومی ادارے جامعہ عِلمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں۔

❶ اپنے ذہین و فطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کے لیے ادارہ میں داخل کروا کر۔

❷ طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر کے۔ کیونکہ فرمان معصوم ہے جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔

❸ ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے سیمنٹ، بجری، ریت، انٹیں وغیرہ مُہیا فرما کر۔

❹ ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ "**دقائقِ اسلام**" کے باقاعدہ ممبر بن کر اور بر وقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔

❺ ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

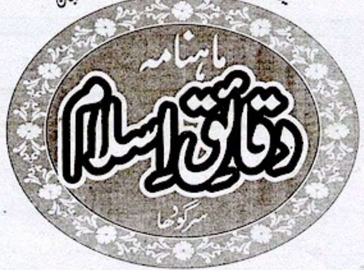
آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیل زر کے لیے:

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا ○ فون 0301-6702646

خصوصی تعلیماتِ اسلامیہ اِمامیہ کا بے باک ترجمان



جلد ۱۴ | مئی ۲۰۱۰ء | شمارہ ۵

مُدیرِ اعلیٰ : ملک مُمتاز حسین اعوان

مُدیر : گلزار حسین محمدی

پبلشر : ملک مُمتاز حسین اعوان

مطبع : انصار پریس بلاک ۱۰

مقامِ اِشاعت : جامعہ علمیہ سُلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ : الخط کمپیوٹرز 0307-6719282

فون : 048-3021536

زرِتعاون 200 رُوپے

لائف ممبر 5000 رُوپے

فہرست مضامین

﴿اِداریہ﴾

اِتّحادبَینَ المُومنین

اس وقت دنیا میں مختلف طبقات آپس میں جنگ و جدال کی کیفیت سے دوچار ہیں، قتل و غارت گری کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ کہیں رنگ و نسل کے فسادات ہیں تو کہیں لسانی فتنے سر اٹھائے ہوئے ہیں۔ انسانوں میں درندگی اور وحشیت کے جذبات ابھر کر سامنے آرہے ہیں۔ انسان انسان کے خون کا پیاسا نظر آرہا ہے۔ خودغرضی اور ذاتی لالچ سے بھرے احساسات نے امن و سکون کو تباہ کردیا ہے۔ آئے دن دھماکے خودکش حملے اور قتل و قتال کا سلسلہ زوروں پر ہے۔ عالمی طاغوتی طاقتیں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے بھائیوں کو بھائیوں سے لڑا رہی ہیں۔ مُسلمانوں کا شیرازہ اس قدر بکھر چکا ہے کہ ہر مکتب فکر کا مُسلمان دوسروں کو کافر کہہ کر انھیں قتل کرنا باعث نجات سمجھ رہا ہے۔ قرآن حکیم میں صاف صاف فرمادیا گیا ہے کہ جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے اور اس پر خدا کی لعنت ہے۔ مذہبی جنونی لوگ نوخیز اور نوجوان لڑکوں کو خودکش حملوں کے لیے تیار کرکے انھیں جنت کی نوید سناتے ہیں۔ اس روِش و رفتار سے دین اسلام اور مُسلمان دنیا بھر میں بدنام اور رسوا ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایسی ہی غلط پالیسیوں اور انسان دشمن کردار سے اہل مغرب اور دیگر اسلام دشمن قوتیں بہانے بنا کر مُسلمان ممالک پر حملے کر رہے ہیں اور ان کے اقتصادی وسائل پر قبضہ جما رہے ہیں۔ تمام مکاتب فکر کے رہنما ہوش کے ناخن لیں اور امن و بھائی چارے کی طرف توجہ دیں۔ اسلامی ممالک کے سربراہان وطن دشمن تحریکوں کو کُچلنے کے لیے اقدامات تیز سے تیز تر کریں۔ کُچھ عرصہ سے شیعہ قوم پاکستان میں اختلاف و انتشار کا شکار ہے۔ آپس میں دست و گریبان ہے۔ جب کہ ان کے دشمن انھیں تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور یہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ کُچھ ناعاقبت اندیش اس اختلاف کو غلط رنگ دے کر علماء دشمنی پر اتر آئے ہیں۔ علماء کے خلاف لٹریچر شائع کرکے جلتی پر تیل کا کام کر رہے ہیں۔ ماتمی جلوس روک کر علماء پر طعن و تشنیع کرنا ان کا وطیرہ بن چکا ہے یہ لوگ چاہتے ہیں کہ علماء حلال و حرام جائز و ناجائز توحید و شرک کے امتیازات کی تبلیغات نہ کریں اور عقیدہ و عمل کی اصلاح کے لیے اقدامات نہ کریں، مجالس و محافل میں علی الاعلان قرآن و حدیث کے خلاف خیالات کی ترویج کی جا رہی ہے۔ شرکیہ نعرے بازی ہو رہی ہے علماء اور مدارسِ دینیّہ کے خلاف نفرت پھیلائی جا رہی ہے بلکہ اب تو معاملہ اس سے آگے بڑھ چکا ہے اور موجیانوالا میں کُچھ نادانوں نے مجلس عزا پر حملہ کرکے مومنین کی املاک جلا کر دشمنی کی انتہا کردی ہے۔ اگر یہی صورتِ حال جاری رہی تو تباہی و بربادی اس قوم کا مقدر ہوگی اور دشمن کے عزائم پورے ہوں گے ---- اس وقت اس کربناک کیفیت کے خاتمے کے لیے بزرگ علماء واعظین و ذاکرین بانیان مجالس اور ماتمی سنگتوں کے سربراہان سر جوڑ کر بیٹھیں اور قوم کو امن و آشتی کا ماحول پیدا کرنے کی طرف آمادہ کریں اور شرپسند عناصر کو اپنی صفوں سے نکال باہر کریں جو لوگ امن عامہ تباہ کرنے کے ذمہ دار ہیں سب مل کر ان کا قلع قمع کریں۔ علمائے کرام اپنے تمام جزوی و ذاتی اختلاف بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور قوم کی اصلاح اور اتحاد و یگانگت پر خُصوصی توجہ دیں۔

《باب التفسیر》

دُنیوی نعمتوں کی کثرت محبوبِ خُدا اور اُن کی قلت مبغُوضِ خدا ہونے کی دلیل نہیں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سُلطان المدارس سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ○ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾ (۳: ۱۷۸-۱۷۹)

ترجمۃ الآیات اور کافر یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ ہم جو انھیں ڈھیل دے رہے ہیں (ان کی رسّی دراز رکھتے ہیں) یہ ان کے لیے کوئی اچھی بات ہے۔ یہ ڈھیل تو ہم صرف اس لیے انھیں دے رہے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کرلیں۔ (آخرکار) ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ (۱۷۸) اللہ مومنوں کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس حال پر تم اب ہو۔ جب تک وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے۔

تفسیر الآیات دُنیوی نعمتوں کی کثرت محبوبِ خُدا اور اُن کی قلت مبغُوضِ خدا ہونے کی دلیل نہیں

"املاء" کے معنی ہیں طولِ حیات اور عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کی مُہلت اور ڈھیل۔

عامۃ الناس یہ خیال کرتے ہیں کہ زندگی کی طوالت، صحت و سلامتی کا حُصول اور مال و دولت کی کثرت کسی شخص کے محبوبِ خدا ہونے کی دلیل ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس پر خدا کی خاص نگاہِ کرم ہے اور اس کی قسمت زوروں پر ہے، جب کہ اس کے برعکس بیماری اور تنگ دستی کو مبغُوضِ خدا ہونے کی علامت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ سوچ کا یہ انداز کافرانہ ہے مومنانہ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب امتحان کے مُختلف پرچے ہیں۔ خدائے علیم و حکیم کسی کا امتحان لیتا ہے تندرست و تونگر بنا کر اور کسی کا امتحان کرتا ہے بیمار و نادار بنا کر، تاکہ دیکھے اور دکھائے کہ نعمت پر شکر کون کرتا ہے اور مُصیبت پر صبر کون؟۔

بعض بدکاروں کو ڈھیل دینے کی حکمت

نیز اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات خدائے حکیم اس لیے بھی بعض بدکاروں کو درازئ عمر اور عیش و عشرت کے آلات و اسباب سے نوازتا ہے کہ وہ دل کھول کر گناہ کرلیں اور گناہ کرنے کی کوئی حسرت باقی نہ رہ جائے اور مرزا غالب کی طرح روز آخرت یہ نہ کہنا پڑے کہ: ؎

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اسے شریعت کی اِصطلاح میں اِستدراج کہا جاتا ہے

اور اس سے حجت خدا تمام ہوتی ہے اور جب جبار و قہار خدا پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ کیونکہ "ان بطش ربك لشديد" اور نتیجہ بالکل تباہی کی شکل میں نکلتا ہے، خواہ دنیا میں ہو تاکہ دوسروں کے لیے سامانِ عبرت ہو جائے اور خواہ آخرت میں ہو جو سزا و جزا کا اصلی محل و مقام ہے۔

"انما يريد الله ليعذ بهم بها"۔ خدا چاہتا ہے کہ کفار کی اس عیش و عشرت اور مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے انھیں سزا دے۔ بہرنوع اور آخری فتح و کامرانی حق اور اہل حق کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

پاک اور ناپاک لوگوں میں امتیاز کرنے کی ضرورت اور اس کے ذرائع کا بیان

ماکان الله ليذر المومنين----

آغازِ اسلام میں یہ دستور تھا کہ جو شخص چاہتا اسلام کا ظاہری اقرار کر کے مُسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جاتا اور پھر نازک مواقع پر مُسلمانوں میں خوف، اِنتشار اور راز کا افشاء کر کے ان کو اذیت پُہنچاتا۔ لہذا حکمت خداوندی کا تقاضا تھا کہ ان کا باہم اِختلاط مناسب نہیں، لہذا مُخلص و منافق اور خبیث اور طیّب میں اِمتیاز ضروری ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جس عہد کو خیر القرون کہا جاتا ہے اس میں بھی خود مُسلمانوں کے اندر پاک و ناپاک اور طیّب و خبیث لوگ موجود تھے۔ اگر سب ہی عدول ہوتے سب ہی اقتدار کے اہل ہوتے اور سب ہی معزز و مُحترم ہوتے تو پھر خدا ان میں امتیاز قائم کرنے کا اہتمام کیوں کرتا؟۔ بہرحال اب اِمتیاز قائم پکڑنے کے چند ذریعے متصور ہو سکتے تھے۔ مثلاً:

❶ یہ کہ بذریعہ وحی نام لے کر منافقوں کو مُتعین کر دیا جائے۔ مگر بوجوہ ایسا نہیں کیا گیا۔

❷ مصائب سے اور ابتلاء و آزمائش سے، تاکہ جو مُصیبت کے وقت بھاگ کھڑا ہو اس کے نفاق کا پردہ چاک ہو جائے۔ جس طرح جنگ اُحد میں سختی کے وقت دو کردار سامنے آ گئے تھے۔

❸ اسلام کو کامیاب کر کے اور پھر پرچم اسلام کو سربلند کر کے اور کفر کے پرچم کو سرنگوں کر کے، تاکہ پتا چل جائے کہ اسلام کی فتح و فیروزی پر خوش و خرم ہو کر اپنے ایمان کی پختگی کا ثبوت کون پیش کرتا ہے اور پرچم کفر کی سرنگونی پر رنج و ملال کا اظہار کر کے اپنے نفاق کا ثبوت کون فراہم کرتا ہے۔

❹ اپنے منتخب پیغمبروں کے ذریعہ بعض مغیبات پر مطلع کر دینے سے۔ یعنی خداوند عالم نے وحی کے ذریعہ حضرت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو منافقین کے ناموں سے آگاہ کر دیا تھا۔ لہذا خبیث و طیّب کے باہمی امتیاز کے سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ کے ارشادات پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت ناقابلِ انکار ہے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ خدا و رسُولؐ پر ایمان رکھو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا و رسُولؐ جس کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمائیں اسی کے مطابق اس سے سلوک روا رکھو۔ بنابریں اچھوں اور بروں میں حد فاصل قائم کرنے کے لیے قرآن کے علاوہ جہاں تاریخ اسلام کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے، وہاں حدیثِ رسُولؐ کو بھی مدنظر رکھنا لازمی ہے۔

﴿باب الحدیث﴾

جن لوگوں کی صحبت وہم نشینی اور مشاورت مکروہ ہے

تحریر: آیت اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

گزشتہ شمارہ میں اہل ایمان کی باہمی میل وملاقات کا اجر وثواب اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ آج اس شمارہ میں ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کا بھی تذکرہ کیا جائے جن کی ہم نشینی اختیار کرنا اور ان سے اپنے معاملات میں مشاورت کرنا شرعاً مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ تاکہ اہل ایمان کے سامنے تصویر کے دونوں رخ آجائیں۔۔۔ چنانچہ:

❶ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا مُسلمان کو چاہیے کہ تین آدمیوں کی صحبت و ہم نشینی سے اجتناب کرے۔ ۱۔ فاسق و فاجر کی۔ ۲۔ احمق کی۔ ۳۔ کذاب کی۔ (اصول کافی)

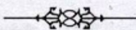
❷ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مَنقُول ہے فرمایا مُجھے میرے والد ماجد نے فرمایا: بیٹا پانچ قسم کے لوگوں کی ہم نشینی اختیار نہ کرنا: ۱۔ کذاب کی۔ ۲۔ فاسق وفاجر کی۔ ۳۔ احمق کی۔ ۴۔ بخیل و کنجوس کی۔ اور ۵۔ قاطع الرحم کی۔ (اصول کافی)

❸ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء و اجدادِ طاہرین علیہم السلام کے سلسلۂ سند سے حضرت رسُول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا تین قسم کے لوگوں کی صحبت دلوں کی موت کا باعث بنتی ہے:

۱۔ رذیل لوگوں کی ہم نشینی۔
۲۔ عورتوں سے باتیں کرنا۔
۳۔ مالداروں کے ساتھ بیٹھنا۔ (اصول کافی)

❹ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا بدعتی لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو، ورنہ عام لوگوں کی نگاہ میں تم انہی لوگوں میں سے سمجھے جاؤ گے۔ (اصول کافی)

❺ حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے آباء و اجداد طاہرین علیہم السلام کے سلسلۂ سند سے حضرت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا یا علی چند قسم کے لوگوں سے مشاورت نہ کرو۔ ۱۔ بزدل سے۔ ۲۔ بخیل سے۔ ۳۔ حریص سے۔ (اصول کافی)



فرمان امیرالمومنین علیہ السلام

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ: "اذان کے کلمات کو مؤذن ساتھ ساتھ دہرانا رزق میں زیادتی کا موجب ہے"۔ (سفینۃ البحار جلد ۱ صفحہ ۱۷)

﴿باب الاعمال﴾

جُوا کھیلنا

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سُلطان المدارس سرگودھا

جوا کھیلنا اور اس کے ذریعہ پیسہ کمانا بالاتفاق حرام ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ و البغضاء فی الخمر و المیسر فھل انتم منتھون۔

اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا، بت اور قمار کے تیر نجس ہیں اور شیطانی کام ہیں۔ تم اس سے رک جاؤ تا کہ فوز و فلاح حاصل کرو۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمھارے درمیان بغض و عداوت ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے باز رکھے۔ کیا تم باز آؤ گے؟۔

الغرض جوئے کے جس قدر آلات و اقسام رائج ہیں، ان کے ساتھ بازی باندھ کر جوا کھیلنے اور ان آلات کی خرید و فروخت کرنے کی حرمت اور اس کے گناہ کبیرہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ قرآن و حدیث، اس کی مذمت سے چھلک رہے ہیں۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے تو ابھی ایک آیتِ شریفہ پیش کی جا چکی ہے۔

مزید برآں صرف ایک روایت بحوالہ حدائق اور مستطرفات سرائر بن ادریس سے اور وہ جامع البزنطی سے بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا:

قال بیع الشطرنج حرام و اکل ثمنہ سحت و اتخاذ باکفر و اللعب بھا شرک و السلام علی اللہ ھی بھا معصیۃ و کبیرۃ موبقۃ و الخائض فیھا یدہ کالخائض یدہ فی لحم الخنزیر و لا صلوۃ لہ حتی یغسل یدہ کما یغسلھا من لحم الخنزیر و الناظر الیھا کالناظر الی فرج امہ و اللہ ھی بھاو الناظر الیھا فی حال ما یلھی بھا و السلام علی اللہ ھی بھا فی حالۃ تلک فی الاثم سواء و من جلس علی اللعب بھا فقد تبوا مقعدہ من النار و کان عشیہ ذلک حسرۃ علیہ یوم القیامۃ و ایاک و مجالسۃ اللہ ھی و المغرور بلعبھا فانھا من المجالس التی باھلھا بسخط من اللہ فیہ یتوقعونہ فی کل ان فیعمک معھم

شطرنج کا بیچنا حرام، شطرنج کی قیمت کھانا حرام، شطرنج بنانا کفر، شطرنج کھیلنا کفر، شطرنج کھیلنے والے پر سلام کرنا مُہلک گناہِ کبیرہ ہے اور شطرنج میں ہاتھ ڈالنے والا ایسا ہے جیسے خنزیر کے گوشت میں ہاتھ ڈالنے والا۔ اس کی اس وقت تک کوئی نماز (قبول) نہیں جب تک اس طرح اپنا ہاتھ

نہ دھوئے جس طرح خنزیر کے گوشت کو چھونے والا دھوتا ہے اور شطرنج کی طرف دیکھنے والا ایسا ہے جیسے اپنی ماں کی شرمگاہ دیکھنے والا۔ شطرنج کھیلنے والا، دیکھنے والا اور ان پر سلام کرنے والا گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ جو شخص شطرنج کھیلنے بیٹھتا ہے اسے اپنی جگہ جہنم میں مہیا سمجھنی چاہیے اور اس کی یہ زندگی بروز قیامت اس کے لیے باعث حسرت و ندامت ہوگی۔ خبردار شطرنج کھیلنے والوں کے پاس نہ بیٹھنا۔ کیونکہ یہ جگہ ان مجالس و مقامات میں سے ہے جن کے جالس و جلیس اللہ کی ناراضی اور اس کے اس قہر و غضب کے سزاوار ہو چکے ہیں جس کے نزول کی ان کو ہر وقت توقع اور انتظار ہے۔ خیال رکھنا کہیں یہ عذاب تمھیں بھی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ ہاں البتہ اس میں قدرے اِختلاف ہے کہ اگر بازی باندھے بغیر ان آلات سے کھیلا جائے تو یہ جائز ہے یا نہ؟۔ احتیاط واجب یہ ہے کہ اس سے بھی اِجتناب کیا جائے۔ واللہ العالم

مسائل واحکام

مسئلہ ۱: اگر جوئے کے علاوہ بازی لگا کر کوئی کھیل کھیلا جائے تو یہ جائز ہے یا ناجائز؟۔ تو اس کے مُتعلق عرض ہے جہاں تک اونٹ اور گھڑ دوڑ اور تیر اندازی کا تعلق ہے تو اس کے جواز پر تو تمام مذاہب اسلامیہ کے فُقہاء کا اتفاق ہے، بشرطیکہ یہ کارروائی بطور مشق جہاد کی جائے۔ جس طرح پرندوں میں سے کبوتر بازی کے جواز پر بھی بعض احادیث دلالت کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بازی باندھ کر کوئی سا مقابلہ جائز نہیں ہے، خواہ کشتی ہو یا کشتی رانی۔ بھاری پتھر وغیرہ کا اٹھانا ہو یا کسی چٹان کا گرانا۔ سائیکلوں اور موٹروں کی دوڑ ہو یا کبڈی وغیرہ۔ اور آیا بازی باندھے بغیر یہ کھیل جائز ہیں یا نہ؟۔ اس میں قدرے اختلاف ہے۔ اگرچہ بہت سے فُقہاء نے ان امور کی حرمت کی تصریح کی ہے۔ مگر ان کا جواز قوت سے خالی نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض اخبار و آثار سے اور بعض فُقہاء کے انظار سے بھی یہی واضح و آشکار ہوتا ہے اور خُصُوصًا جب کہ ورزش وغیرہ کی طرح کی کوئی عقلائی غرض و غایت بھی پیش نظر ہو۔ (واللہ العالم بحقائق احکامہ)

مسئلہ ۲: جس طرح جوا کھیلنا حرام ہے اسی طرح جہاں جوا کھیلا جاتا ہے وہاں جانا اور اس شغل کو دیکھنا بھی حرام ہے، جیسا کہ حماد بن عیسیٰ اور سُلیمان جعفری کی روایات میں وارد ہے۔

مالك و لمجلس لا ینظر اللہ الی اھلہ؟ (المطلع فی الشرنج کالمطلع فی النار۔ (الکافی)

اور تمھیں اس بزم سے کیا واسطہ جس کے اہل کی طرف خدا نظر نہیں کرتا، اور جس پر جھانکنے والا ایسا ہے جیسے دوزخ میں جھانکنے والا۔

﴿باب المسائل﴾ (گزشتہ سے پیوستہ)

سوالات کے جوابات

بمطابق فتویٰ آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

سائل : جناب سید عارف حسین شاہ نقوی ایم اے آف ڈیرہ اسماعیل خان

سوال نمبر ۱۶۳ : دنیا اکثر و بیشتر اپنے اصول دین اور اعتقادات میں تقلید پر ہی اکتفا کرتے ہیں جو اعتقادات کے بارے میں دلیل و برہان پیش کرنے سے قاصر ہیں اور علماء فرماتے ہیں کہ اصول دین تقلید جائز نہیں ہے۔ تو کیا ان سب کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا یا تقلید سے حاصل کیا ہوا اعتقاد ان کے مُسلمان ہونے کے لیے کافی ہے؟۔

جواب باسمہ سبحانہ ! چونکہ بالعُموم ایسا ہوتا ہے کہ دلیل و برہان سے علم و یقین حاصل ہوتا ہے (جو کہ اصول دین میں درکار ہے) اور تقلید سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے۔ (جو کہ اصول عقائد میں کافی نہیں ہے) مگر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شکی مزاج شخص کو دلیل و برہان سے بھی یقین حاصل نہیں ہوتا۔ جب کہ ایک سادہ لوح شخص کو صرف تقلید سے ایسا علم و یقین حاصل ہوجاتا ہے جو کسی مُشکک کی تشکیک سے بھی زائل نہیں ہوتا ہے جیسا کہ اہل علم میں مشہُور ہے کہ ایک بار محقق طوسی سفر کرتے ہوئے ایک دہقان کے پاس سے گزرنے جو بیلچہ لے کر کام کر رہا تھا۔ آپ نے اس دیہاتی سے پوچھا کہ آیا خدا موجود ہے؟ اس نے بڑے جوش و جذبہ سے جواب دیا : بے شک (موجود ہے) محقق طوسی نے فرمایا : اور اگر کوئی یہ کہے کہ خدا موجود نہیں ہے تو تو کیا کرے گا؟۔ اس نے کہا کہ پھر میں یہ بیلچہ اس کے سر پر مار کر اس کا کام تمام کردوں گا۔

یہ سن کر محقق طوسی نے فرمایا یقین کی جس منزل پر یہ دہقان فائز ہے وہ توہمیں بھی حاصل نہیں ہے۔ بنا بریں ایسے لوگوں کے اسلام و ایمان میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ اور اگر علمی اِصطِلاح میں گفتگو کی جائے تو یوں کہا جائے گا کہ دلائل و براہین کو طریقی حَیثیت حاصل ہے ان کو موضوعی حَیثیت حاصل نہیں ہے۔ یعنی اصل مقصد علم و یقین کا حاصل کرنا ہے۔ وہ جہاں سے اور جس طرح بھی ہوجائے۔ واللہ الموفق

سوال نمبر ۱۶۴ : کیا اسلام و مُسلمین کے موجودہ فرقوں کے پاس موجودہ عقائد من و عن اول اسلام سے تھے یا حوادث و واقعات اور وقت گزرنے کے ساتھ بعض عقائد ختم اور بعض عقائد کا اضافہ ہوا ہے؟۔

جواب باسمہ سبحانہ ! اوائلِ اسلام میں جب اسلام

ایک تھا، اس کا بنانے والا (خدا) ایک، لانے والا (مُصطفٰیؐ) ایک، اور اس کے پھیلانے اور بچانے والے گو تعداد میں بارہ تھے مگر ان کا قول بھی ایک اور عمل بھی ایک۔ لہٰذا اس کے اصول و فروع اور قواعد و ضوابط بھی ایک تھے۔ ہاں پیغمبر اسلام صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات حسرت آیات کے بعد جب اہل اسلام نے وہ دروازہ بھلا دیا جو آپ اپنے حین حیات میں ان کو دکھا کے گئے تھے اور ان کا دامن چھوڑ دیا جن ذوات مقدسہ کا دامن چھوڑ دیا جن کا دامن آپ اپنی امت کے ہاتھوں میں تھما کے گئے تھے۔ تب وہ مختلف فرق و مسالک میں تقسیم ہو گئے۔ بقول شاعر: ؎

و تشعبت شعبا فکل جزیرة
فیها امیر المومنین و منبر

اس وقت سے بعض اصلی عقائد و مسائل متروک ہو گئے اور مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ نئے نئے فرقے بھی وجود میں آ گئے اور نئے نئے عقائد و مسائل نے بھی جنم لیا۔ اور یہ بات عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے۔ جناب مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب علم الکلام میں اس کی وضاحت کی ہے۔

اور اب رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اسلام ایک تھا مگر تعبیر میں تہتر ہیں۔ قرآن ایک تھا مگر تفسیر میں بہتر ہیں۔ لہٰذا اصلی اور نقلی اور اسمی اسلام میں امتیاز کرنا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔

سوال نمبر ۱۶۵: ہمارے ہاں لوگ کہتے تو یہ ہیں کہ عقائد میں تحقیق و جستجو اور اجتہاد ناگزیر ہے مگر جن لوگوں نے عقائد پر کتابیں لکھیں ہیں انھیں بے چوں و چرا من و عن قبول کرتے ہیں کبھی اثناء بحث میں شیخ مفید کا حوالہ دیتے ہیں اور کبھی شیخ صدوق کا اور کبھی علامہ حلی کا۔ جب کہ یہ مجتہدین خود عقائد میں تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں۔ مقصد بحث یہ ہے کہ جیسا کہ زاویہ ارشادی میں بیان ہوا علماء سے ہدایت و راہنمائی لینی چاہیے۔ اس کے بعد اپنی عقل استعمال کرتے ہوئے کوئی عقیدہ اور نظریہ قائم کرنا چاہیے۔

جواب باسمہ سبحانہ! علماء اعلام اپنی (علم الکلام پر لکھی جانے والی) کتابوں میں جب عقائد اسلامیہ اور نظریات ایمانیہ پر جب بحث کرتے ہیں تو وہ سب سے پہلے اللّٰہ تعالیٰ کے کلام (قرآن) سے استدلال کرتے ہیں۔ تفسیر اہل بیتؑ کی روشنی میں۔ بعدازاں سرکار محمدؐ و آلِ محمدؑ کے فرامین سے استدلال کرتے ہیں۔ پھر علماء اعلام کے فرمان سے استدلال کرتے ہیں اور سب کے آخر میں جو کچھ قرآن، چودہ معصومین کے فرمان اور علماء اعلام کے کلام سے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کی صحت و صداقت عقلی برہان قائم کرتے ہیں۔ ہاں اس دوران وہ کبھی کبھار کسی بزرگ عالم دین جیسے حضرت شیخ صدوق یا حضرت شیخ مفید یا حضرت علامہ حلی و امثالہم رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین کے کلام حق ترجمان کا حوالہ دیتے ہیں تو تائید کہتے ہیں، نہ کہ تقلید۔ تاکہ کوئی کوتاہ اندیش ان پر یہ الزام عائد نہ کرے کہ وہ اس نظریہ میں مُنفرد ہیں۔ تو وہ اس توہم کے ازالہ کے لیے کسی بزرگ عالم کے کلام کا حوالہ دے دیتے ہیں تا کہ ان پر انفرادیت کا الزام عائد نہ ہو بلکہ ثابت ہو جائے کہ ع

مُنشق گردید رائے بو علی با رائے من

ع دانیہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

سوال نمبر ۱۶۶: کچھ لوگ اپنے اور بڑے کاموں کی انجام دہی کے لیے یہاں تک کہ سفر کرنے کے لیے بھی اچھے اور بڑے وقت نیک و بد دن کی تلاش میں رہتے ہیں اور قمر در عقرب کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ اصل حقیقت قرآن و حدیث سے بیان فرمائیں۔

جواب باسمہ سبحانہ! سعد و نحس ایام اور نیک و بد ساعات کی بحث قدیم الایام سے جاری و ساری ہے۔ اور قرآن و سنت سے بھی ایام کے سعد و نحس ہونے کا تصور اجاگر ہوتا ہے۔ اسی طرح قمر در عقرب میں عقد و ازدواج کی مذمت میں بعض اخبار و آثار ملتے ہیں۔ اور بعض آیات و احادیث سے اور حالات و واقعات سے اس بات کی مذمت واضح ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کبار کے انظار میں بھی قدرے اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعض علماء کرام ان چیزوں کو قدرے اہمیت دیتے ہیں اور بعض بالکل نہیں دیتے۔ میں نے بھی اس موضوع پر کچھ اِصلاح الرسُوم میں کچھ اپنے بعض مضامین میں تبصرہ کیا ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ اگر آدمی فارغ ہو اور کسی قسم کی کوئی جلدی نہ ہو تو اگر وہ ان چیزوں کا لحاظ رکھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر ان چیزوں کو اس قدر اہمیت بھی نہیں دینی چاہیے کہ ان کی وجہ سے اہم اور ضروری کاموں کو ملتوی کر دیا جائے یا مقررہ وقت سے مؤخر کر دیا جائے۔ دن سعد ہو یا نحس اور ساعت نیک ہو یا بد اور کوئی ضروری کام کرنا ہو تو ضرور کرے اور مزعومہ نحوست کے آثارِ بد سے بچنے کے لیے دو چیزیں موجود ہیں۔ ایک دعا اور دوسرا صدقہ۔

خلاصہ یہ کہ دن سعد ہو یا نحس اور ساعت نیک ہو یا بد جب کوئی ضروری کام انجام دینا ہو تو بس دعا کر لی جائے اور صدقہ دے دیا جائے۔ اور بعد ازاں خدا پر توکل و بھروسا کر کے بصد شوق وہ کام انجام دیا جائے۔

اور بعض خشک تقدس مآبوں کی طرح نہ کیا جائے کہ عام لوگ چاند پر جا کر واپس بھی آ جائیں اور یہ جنتری کھول کر گھر میں بیٹھا رہے کہ آج دن سعد نہیں ہے اور آج ساعت نیک نہیں ہے۔

سوال نمبر ۱۶۷: حضرت عیسیٰؑ فلسطین میں پیدا ہوئے، پھر ان کی والدہ کا جناب عیسیٰؑ کی پیدائش کے لیے کعبہ سے ہٹائے جانے اور حضرت علیؑ کی والدہ کے لیے دیوارِ کعبہ کے شق ہونے کا اصل واقعہ کیا ہے۔ ہر دو پر روشنی ڈالیں۔

جواب باسمہ سبحانہ! ان واقعات کا جامع خلاصہ یہ ہے کہ جب جناب عیسیٰؑ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو ان کی والدہ ماجدہ خانہ خدا (بیت المقدس) کا طواف کر رہی تھیں، چاہا کہ وہیں جناب عیسیٰؑ کو جنم دیں، مگر ہاتف غیبی کی آواز آئی کہ یا مریم اخرجی هذا محل العبادة لا مقام الولادة اے مریم یہاں سے نکل جائیں۔ یہ جگہ عبادت کے لیے ہے ولادت کے لیے نہیں ہے۔ اور جناب علیؑ کی ولادت قریب ہوئی تو آپ کی والدہ خانہ خدا (کعبہ) کا طواف کر رہی تھیں لہٰذا پریشان ہوئیں کہ بچہ کو کہاں جنم دیں۔ اس وقت خدائے قدیر نے دیوار کعبہ شق

کر کے ہاتف غیبی کے ذریعہ سے آواز دی کہ یا فاطمہ ادخلی اے فاطمہؑ اندر داخل ہو جائیں۔

(انوار نعمانیہ از علامہ محدث جزائری)

چنانچہ آپ اندر تشریف لے گئیں اور اپنے فرزند گرامی حضرت امیرؑ کو جنم دیا۔ و لنعم ماقیل ؎

کسے را میسر نشد ایں سعادت
بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

سوال نمبر ۱۶۸ : چند سال قبل مسماۃ شائستہ دختر محمد صدر ملیانی بلوچ سکنہ ۱۱۹ ٹی ڈی اے لیہ کا نکاح شرعی مسمی بلال حسین ولد اللہ داد سکنہ ۱۲۱ ٹی ڈی اے لیہ کے ساتھ ہوا۔ جب کہ لڑکی کی عمر بوقت نکاح ۴ سال تھی اور یہ نکاح لڑکی کے دادا صاحب اور بابا صاحب کی اجازت سے پڑھا گیا، وٹہ سٹہ کا مسئلہ تھا۔ صفدر نے اپنے بھائی کے لیے بلال حسین کی ہمشیرہ عوض میں لی جس کا نکاح اور شادی اسی وقت ہو گئی۔ اب لڑکی جوان ہو گئی تو محمد صفدر نے لڑکی کے نام دو کنال زمین کا مطالبہ کر دیا جو لڑکے والوں نے مان لیا لیکن بعد میں بغیر رابطہ کیے تنسیخ نکاح کی ڈگری لی اور مولانا ضیغم عباس میرانی صاحب مدرسہ دار القرآن کی توسط سے غلط سوال کر کے آیت اللہ صادق روحانی صاحب سے بُطلانِ نکاح کا فتویٰ منگوا کر لڑکے سے بغیر طلاق مانگے آگے شادی کر دی۔ جب کہ ہم حلف دیتے ہیں اگر ہم سے رابطہ کیا جاتا تو ہم جائز طریقے سے طلاق دے دیتے۔ اب سوالات یہ ہیں :

❶ کیا سابقہ نکاح باطل ہے؟۔ اگر باطل نہیں تو لڑکی کا اس شوہر سے طلاق لینا ضروری ہوگا؟۔

❷ کیا دوسرا نکاح درست ہے؟۔

❸ اگر دوسرا نکاح درست نہیں تو پھر کیا کرنا چاہیے؟۔

نوٹ : تنسیخ نکاح لیہ عدالت کے بجائے لاہور عدالت سے کرائی گئی تا کہ لڑکے والوں کے معلوم نہ ہو سکے۔

السائل : بلال حسین ولد اللہ داد ملیانی بلوچ
۱۲۱ ٹی ڈی اے تحصیل و ضلع لیہ

جواب باسمہ سبحانہ !

❶ صورت سوال کے مطابق عزیزہ شائستہ کا عقد نکاح بلال حسین کے ساتھ صحیح ہے۔

❷ اور اگر لڑکے کا تعلق مذہب شیعہ سے ہے تو عدالتی طلاق سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔

❸ لہذا پہلا نکاح درست اور دوسرا نکاح پر نکاح ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور میاں بیوی میں جدائی کرانا واجب ہے۔ ورنہ سب متعلقہ افراد گنہگار ہوں گے اور فاسق و فاجر۔ واللہ العالم بحقائق الامور۔

سوال نمبر ۱۶۹ : ایک عورت شادی شدہ ہے اور مال دار بھی ہے، اس کا نان و نفقہ بھی کیا مرد پر واجب ہے؟۔

سائل سید مُشتاق حسین شاہ آف شاہ پور سرگودھا

جواب باسمہ سبحانہ ! غریب و نادار ہو یا مالدار و سرمایہ دار بشرطیکہ شوہر کی اطاعت گزار ہو اس کا نان و نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

﴿باب العقائد﴾

بعثت انبیاء کی ضرورت اور غرض و غایت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

بعثتِ انبیاء کی ضرورت اور اس کی غرض و غایت کے سلسلہ میں مُتعدد وجوہ بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں صرف بعض اہم امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

❶ خلاقِ عالم نے انسان میں دو قسم کی قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ ۱۔ ایک قوتِ ملکیہ روحانیہ، ۲۔ دوسری قوتِ بہیمیہ جسمانیہ۔

اس خالقِ حکیم نے یہ انتظام فرمایا ہے کہ قوتِ بہیمیہ کے امراض و اسقام کے ازالہ کے لیے ڈاکٹر و حکیم پیدا فرمائے ہیں، ضرورت تھی کہ خدائے حکیم قوتِ ملکیہ کی نشو و نما اور اس کے روحانی امراض کے علاج معالجہ کے لیے بھی کچھ ایسے حضرات قدسی صفات مقرر فرمائے جو صورت میں تو انسان ہی ہوں، مگر قوتِ ملکیہ کے کامل اور دیگر کمالات کے اتم و اکمل ہونے کی وجہ سے ملائکہ سے بھی افضل ہوں۔ انہی کو اصطلاحِ شریعت میں انبیاء و مرسلین کہا جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے:

یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم و شفاء لمافی الصدور وھدی و رحمۃ للمومنین۔

(سورۃ یونس پارہ ۱۱ ع ۱۶)

❷ جب ایک عقل مند انسان دلائل عقلیہ فطریہ سے یہ معلوم کرلیتا ہے کہ اس کا ایک خالق و مالک ہے تو وہ یہ سوچتا ہے کہ اس کی غرضِ خلقت کیا ہے؟۔ نہ تو یہ بارگاہِ ربُ العزت میں حاضر ہوسکتا ہے اور خداوند عالم اس سے اجل و ارفع ہے کہ اس کی بزم میں آئے تو اس امر کے معلوم کرنے کے لیے کہ اس کی خلقت سے خدائے عزوجل کی غرض و غایت کیا ہے؟۔ کن باتوں سے انھیں قربِ ایزدی حاصل ہوگا؟ اور کن امور کی وجہ سے وہ بارگاہِ قدس سے دور ہوجائے گا؟۔ خالق کی رضامندی کن باتوں میں پوشیدہ ہے؟ اور اس کی ناراضی کن چیزوں میں مُضمر ہے؟۔

ان حقائق کو سمجھنے کے لیے ضرورت تھی کہ کچھ وسائط درمیان میں موجود ہوں، جو دو جنبے رکھتے ہوں۔ ایک جنبہ وہ ہو جو جمال و کمال احدیت کا پرتو ہو۔ جس کی وجہ سے خالقِ عالم سے احکام و تعلیمات حاصل کرسکیں۔ اور دوسرا جنبہ وہ ہو جس میں وہ عام انسانوں کی طرح معلوم ہوں۔ تاکہ لوگوں کو وہ احکام پہنچاسکیں۔ اور ان کی اور ان کی سیرت و کردار عام لوگوں کے لیے مشعلِ راہ بن سکے۔ ؎

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شاغل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

ایسے ہی وسائط اور وسائل کو اصطلاحِ شریعت میں نبی و رسُول کہا جاتا ہے۔ ان کی حَیثیت خالق و مخلوق کے درمیان وسائل اور روابط کی مانند ہوتی ہے۔ جس طرح بلا تشبیہ بادشاہ اور رعیّت کے درمیان وزراء واسطہ ہوتے ہیں جو بادشاہ کے احکام سے رعایا کو آگاہ کرتے ہیں، اسی طرح خداوند عالم اور اس کے بندوں کے درمیان انبیاء وسیلہ اور سفیر ہوتے ہیں، جو لوگوں کو خالق کی مرضی و منشاء کی اطلاع دیتے ہیں۔ تاکہ لوگ اپنے مقصدِ خلقت کی تکمیل کر کے فلاح و نجاح دارین حاصل کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ تنہا عقلِ انسانی ان حقائق کو سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے۔

۳ یہ امر مُحتاجِ دلیل نہیں ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ تنہا اپنی تمام ضروریات پورا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اپنے بنی نوع انسان کے تعاون اور ان کے ساتھ اجتماع کا مُحتاج ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس اجتماع میں ذاتی جلب مَنفعَت اور دفع مضرت کی وجہ سے جنگ و جدال اور قتل و قتال کا صرف ظنِ غالب ہی نہیں بلکہ یقینِ کامل ہے۔ اس لیے ایک بہترین قانون اور قانون دان حاکم عادل کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ انسانی دماغ کا ساختہ برداختہ قانون اور عام خطا کار حاکم اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے۔ اس لیے ضرورت ہے قانونِ الٰہی اور کامل انسان کی جو اسے بلا رد و رعایت نافذ کر کے اصلاح معاشرہ کر سکے۔ اسی قانون کو دین اور حاکم کو نبی و رسُول کہا جاتا ہے۔

انبیاء کی شناخت کا معیار

مذکورہ بالا بیانات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مدعی نبوت و رسالت کے پہچاننے کا حقیقی معیار یہ ہے کہ جب کوئی شخص دعوائے نبوت و رسالت کرے اور تمام گناہانِ صغیرہ و کبیرہ سے اس کا دامنِ عِصمت پاک و صاف ہو، اور عقائد صحیحہ اعمال صالحہ اخلاق حسنہ کا مالک ہو اور وہ کوئی نہ کوئی مُعجزہ بھی رکھتا ہو جو عقلاً مُمکن ہونے کے ساتھ ساتھ محال عادی اور خارق عادت ہو۔ جس کا مثل و نظیر لانے سے تمام دنیا والے عاجز و قاصر ہوں، تو اس سے یقین ہو جائے گا کہ وہ شخص منجانب اللہ بھیجا ہوا ہے۔ اور اپنے دعویٰ میں صادق اور راست باز ہے۔ فمن ذلك الطريق فاطلب اليقين بالنبوة۔

اسی طرح صداقتِ انبیاء معلوم کرنے کے بعض اور طریقے بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ حقیقی انبیاء کی پیشانیوں پر خوف و خشیۃ اور تقویٰ الٰہی کے انوار ضوء آفتاب کی طرح واضح و آشکار ہوتے ہیں۔ رشد و ہدایت اور صلاح و فلاح کے آثار ان کے اعضاء و جوارح سے ہویدا ہوتے ہیں۔ اور وہ اربابِ دول اور امراء و سلاطین سے بے تعلق تمام شہوات اور لذائذ دنیا سے مُتنفر ہوتے ہیں۔ اہل اللہ کے دل خود بخود ان کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ بخلاف ارباب مکر و تزویر کے کہ ان کے حالات و کوائف ان کے برعکس ہوتے ہیں۔ وہ امراء و سلاطین کی طرف مائل، لذائذ و شہوات میں مُنہمک اور حبِ دنیا میں مُستغرق ہوتے ہیں۔ بہرحال صادقین و کاذبین کے صفات و سمات، اقوال و افعال، صورت و سیرت، ظاہر و باطن میں وہی فرق ہوتا ہے جو نور و ظلمت اور لیل و نہار میں ہے۔ کوئی کاذب و مُفتری اور متنبّی اپنے اصلی عادات و خصائل اور رذائل کو

چھپانے کی ہزار کوشش کرے مگر حقیقت ظاہر ہو کر ہی رہتی ہے۔ ؎

و مھما تکن عند امرأ من خلیقة
و ان خالھا تخفی علی الناس تعلم

اسی طرح انبیاء کی پہچان کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ جب وہ گزشتہ واقعات اور آئندہ آنے والے حوادث و حالات کی خبر دیں تو ہو بات بلاکم کاست درست ثابت ہو۔ پیشین گوئیوں کی صداقت پیشین گوئی کرنے والے شخص کی صداقت کی بین دلیل ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا علم وہبی ولدنی ہوتا ہے۔ نہ کسبی واکتسابی۔ اسی طرح سچے مدعی نبوت کی شناخت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کی شریعت کے احکام و مسائل اور عقائد و تعلیمات کو عقل سلیم اور فطرتِ صحیحہ کے میزان پر جانچا جائے۔ اگر اس کی تعلیمات عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ کے مطابق ہوں تو اس کی تعلیمات کا مطابق عقل و فطرت ہونا بھی اس کے منجانب اللہ مبعوث ہونے کی دلیل متصور ہوگی۔ اسی طرح سابق مُسلم النبوت نبی کا کسی آنے والے بزرگ کی نبوت کا اعلان کرکے اس کے نام و نشان کی معرفی کرانا بھی پہچان کا ایک قطعی طریقہ ہے۔ بہرکیف کسی شخص کے دعوائے نبوت کی صداقت معلوم کرنے کا بہترین معیار عِصمت اور مُعجزہ کا وجود ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔ اس معیار کو عوام و خواص سب لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ لہٰذا جس دعویدارِ نبوت کا دامن ان دو نعمتوں سے تہی ہو، تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ متنبّی اور مُفتری ہے۔ کائنامن کان کمالا یخفی علی اولی الاذھان۔

بقیہ: اتحاد بین المومنین (اداریہ)

آخر میں ہم کوئٹہ خودکش دھماکہ کرنے والوں کی پرزور مذمت کرتے ہیں اور جان بحق ہونے والوں کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ نیز موچیانوالا میں شرپسندی کرنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے حکومت پنجاب سے پرزور گزارش کرتے ہیں اور بے گناہوں کی رہائی کی استدعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو آپس میں مل جل کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ: سوالات کے جوابات

سوال نمبر ۱۷۰: ایک عورت پردہ میں رہ کر ملازمت کرتی ہے اور اپنی تنخواہ میں سے خوشی سے آدھی رقم شوہر کو دے دیتی ہے۔ پھر مزید مرد تنگ کرتا ہے کہ باقی پیسے بھی مجھے دے دو۔ تو مرد کے لیے ایسا کرنا درست ہے اور اسے یہ حق حاصل ہے۔

سائل سید مُشتاق حسین شاہ آف شاہ پور سرگودھا

جواب باسمہ سبحانہ ! اگر عورت اپنی رضا و رغبت سے اگر اپنی کمائی کا کچھ حصہ شوہر کو دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مگر شوہر کا اس سے رقم کا مطالبہ نہ صرف یہ کہ اس ک شان مردانگی کے خلاف ہے بلکہ سراسر بے حمیتی اور بے غیرتی بھی ہے کہ عورت کمائے اور شوہر کو کھلائے پلائے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کیا ہے: ؎

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

﴿باب المتفرقات﴾

مُجاہدۂ اسلام سلام اللہ علیہا

تحریر: آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ

رازِ طہارت

ہم جب بھی انھیں یاد کرتے ہیں خواہ ان کی ولادت اور ان کے دنیا میں آنکھیں کھولنے کے دن کی مناسبت سے ان کے بارے میں گفتگو ہو، خواہ ان کی وفات اور رسُول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحلت کے بعد ایک انتہائی مختصر عرصے میں ان کی خدا سے ملاقات کے لیے روانگی کی مناسبت سے ان کا ذکر ہو۔ بی بی نے ایام جوانی بھی پورے نہ کیے تھے، راہِ حیات کے عین درمیان آپ اس دنیا سے کوچ فرما گئی تھیں۔

ہم جب بھی ان کا ذکر کرتے ہیں، انھیں ایک ایسا انسان پاتے ہیں جو اپنی روح، فکر، علم و دانش اور زہد و عبادت میں ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اپنے مِشن پر گامزن ہو۔

ہم انھیں صدیقۂ طاہرہ کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔ آپ اس لفظ میں موجود تمام معنی میں طہارت، عِصمت اور حقانیت کی مالک تھیں۔

آپ وہ ہستی ہیں جِنھوں نے اپنے بچپنے ہی سے شدید ترین مُشکلات کا سامنا کیا اور ان کی یہ دشوار زندگی گھریلو اور معاشرتی زندگی میں ان کے کاندھوں کو جھکا دینے والے سنگین بوجھ کے ہمراہ اس زمانے میں بھی جاری رہی جب کہ علی علیہ السّلام ان کے ہمسر تھے۔

اپنے والد گرامی کا فراق ایک اور رنج تھا جس نے انھیں آزردہ کیا۔ وہ والد گرامی جو خود عقل و روح اور پیغمبرانہ زندگی کے آئینہ دار تھے، یہ دونوں ہستیاں انسانیت کے لیے دردمندی اور الٰہی مِشن سے وابستگی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے پیوستہ تھیں۔ یہی وابستگی و پیوستگی تھی جس کی بنا پر فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے پیغمبر کی رحلت کے بعد انتہائی ممکنہ صورت میں امامت کے دفاع کی کوشش کی اور اس قضیے میں بھی بہت سے رنج و غم، مصائب و مُشکلات کا سامنا کیا۔

آپ کی زندگی کے بارے میں مُختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ حتی ایک لمحے کے لیے بھی اپنی ذات کے لیے زندہ نہ رہیں، بلکہ آپ نے اپنی پوری زندگی اپنے پدر بزرگوار پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم، اپنے شوہر نامدار امیرالمومنین علی مرتضیٰ علیہ السّلام اور اپنے فرزندوں حسنؑ و حسینؑ (جو چاہے قعود کی حالت میں ہوں چاہے قیام کریں دونوں صورتوں میں مُسلمانوں کے امام ہیں) کی خدمت کے لیے وقف رکھی۔

آپ نے ان ہستیوں کی خدمت صرف اس لیے نہیں کی تھی کہ یہ آپ کے اقربا اور رشتے دار تھے، بلکہ اس کا سبب وہ احساس ذمہ داری تھا جسے آپ اپنے کاندھوں پر محسوس کرتی تھیں۔ ذمہ داری کا یہ احساس ہمیشہ اور ہر جگہ آپ کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کا یہ احساس ذمہ داری تمام مُسلمانوں کو اپنے سائے میں ڈھانپ لیتا ہے۔ وہ اس احساس ذمہ داری کی بنیاد پر اپنے دکھوں، غموں اور مسائل و مُشکلات کے بارے میں سوچنے سے پہلے دوسروں کے درد و غم، مسائل و مُشکلات کی فکر کرتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ جس طرح نسبی تعلق کے لحاظ سے دخترِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، رسالت کے لحاظ سے بھی ان کی دختر ہیں۔ پس ان کے بارے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرامین (جنھیں مُسلمانوں کے دونوں بڑے مکاتب کے علماء محققین نے اپنی کُتب میں تحریر کیا ہے) کی روشنی میں ان کی شخصیت کا مطالعہ کریں۔ وہ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنھوں نے انھیں اپنی ماں کہہ کر پکارا۔

حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کے بارے میں شاید بہترین شعر امیر الشعراء احمد شوقی کا یہ شعر ہے کہ:

ما تمنی غیرھا نسلا و من
یلد الزھراء یزھد فی سواھا

پیغمبرؐ نے زہراءؑ کے سوا کسی نسل کی تمنا نہ کی۔ کیونکہ جس کے پاس زہراءؑ ہو اسے کسی دوسرے سے رغبت نہیں رہتی۔

عزیزو! حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی یاد منانے کے سلسلے میں ہمارے اہتمام کی وجہ یہی ہے۔ جب ہم ان کا ذکر کرتے ہیں تو رسالت اور اپنے مشن سے وابستگی کا ذکر ہوتا ہے۔ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے کس انداز سے اپنا مشن جاری رکھا اور کس طرح اپنی ذمہ داری ادا کی۔ اسے دیکھ کر ہم ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کے بدلتے اور ہر دم تغیر پذیر امور میں اسلامی تحریک کے دستورِ عمل کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ تحریک جس میں حضرت زہراء سلام اللہ علیہا ایک زندہ اور فعال عنصر کی حیثیت سے شامل رہیں۔ ہم ان تمام امور میں ان کی یاد کو زندہ رکھتے ہیں۔

تاریخ بشریت بکثرت ایسے انسانوں کے ذکر سے بھری پڑی ہے جو اپنی موت کے بعد ختم ہو گئے۔ کیونکہ ان کی زندگی خود ان کی ذات تک محدود اور منحصر تھی۔ نیز تاریخ ایسے انسانوں کے ذکر سے بھی معمور ہے جن کی حیات ان کے مشن اور پیغام کے دوام کی بنا پر جاوداں رہی ہے۔ جب تک ان کا پیغام باقی ہے، اس وقت تک انھیں بھی بقا رہے گی۔ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا ایسے ہی ثانی الذکر انسانوں میں سے ہیں۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ، فاطمہ زہراءؑ کے ذکر کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السّلام کا تذکرہ ہو اور اس میں فاطمہ سلام اللہ علیہا شامل نہ ہوں، ہو نہیں سکتا۔ یہی حال حسنؑ و حسینؑ اور زینب سلام اللہ علیہا کے تذکروں کا ہے کہ ان کے دوران بھی ان کی مادرِ گرامی فاطمہؑ کا ذکر لازم ہے، جو ان کی طہارت کا راز ہیں۔

لہٰذا ہم سب کو دعوت دیتے ہیں کہ آئیے یہ

کوشش کریں کہ زہراء سلام اللہ علیہا نہ صرف ہمارے آنسوؤں میں، بلکہ ہماری فکر اور روح میں ایک پیغام اور ایک طرزِ فکر کے بطور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جائیں۔ کیونکہ ہم صرف اپنے اشکوں کے ذریعے ان کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کی راہ پر نہیں چل سکتے اور ان کی اقدار کو زندہ نہیں کر سکتے، بلکہ بڑا کام یہ ہوگا کہ ہم اپنی نظریں ان کے پیغام اور اس ذمہ داری پر لگائے رکھیں، جسے وہ محسوس کرتی تھیں۔ ان کے اشک اپنے مشن، پیغام اور ذمہ داری کے لیے ہے۔ اور حتیٰ ایک لمحے کے لیے بھی وہ اپنی ذات کے لیے زندہ نہ رہیں۔ یہی اہل بیتؑ کی جاویدانی کا سبب ہے، وہ صرف اسلام کے لیے جیے۔ لہٰذا ہمیں ان کی یاد مناتے ہوئے احیائے اسلام کا مقصد پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

زہراء سلام اللہ علیہا کلامِ پیغمبرؐ میں

حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی شخصیت کا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرامین کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے ہم سب سے پہلے ایک ایسی حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں جسے بخاری نے اپنی صحیح میں رسولِ خداؐ سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث میں ہے:

"فاطمۃ بضعۃ منی من اغضبھا اغضبنی"۔

(فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس کسی نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔)

اس کے بعد ایک اور حدیث دیکھتے ہیں، جسے "مسلم" نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے:

انما ابنتی فاطمۃ بضعۃ منی یوذینی ما اذاھا۔

(بے شک میری بیٹی فاطمہؑ میرا پارۂ تن ہے، جس کسی نے اسے اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔)

مسلم ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک دوسری روایت نقل کرتے ہیں:

انما ابنتی فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی ما ارابھا و یوذینی ما اذاھا۔

(بے شک میری بیٹی فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو چیز اس کی دل آزاری کا سبب ہوتی ہے وہ مجھے تکلیف پہنچاتی ہے اور جو چیز اسے آزردہ کرتی ہے وہ میری آزردگی کا باعث ہوتی ہے۔)

اگر ہم اس حدیث کا مفہوم جاننا چاہتے ہیں تو ہمیں پیغمبرؐ کو اس طرح سمجھنا ہوگا جس طرح خدا نے ان کا تعارف کرایا ہے۔ یعنی آنحضرتؐ اپنی خواہش سے سخن نہیں فرماتے۔ و ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔ (اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا ہے۔ وہ وہی کہتا ہے جو وحی اس پر نازل ہوتی ہے۔

(سورۂ نجم ۵۳: ۳-۴)

کبھی تو خداوندعالم کی طرف سے وحی آیات قرآنی کی صورت میں نازل ہوتی تھی اور کبھی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عقل کے قالب میں جسے خداوندعالم نے حقیقت پر استوار کیا ہے اور کبھی قرآن کریم کے پیش کیے ہوئے دستورِ عمل کی تکمیل کرنے والی سنت کی شکل میں۔ پیغمبر اسلامؐ وہ سچے فرستادۂ الٰہی ہیں جو کسی غیر واقعی چیز کو خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل و لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین۔

اور اگر یہ پیغمبرؐ ہماری طرف سے کوئی بات گھڑ لیتا تو ہم اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتے۔ اور پھر اس کی شہ رگ کو کاٹ ڈالتے۔ (سورۂ حاقہ ۶۹ : ۴۴۔۴۶)

لہٰذا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنے ذاتی جذبات و احساسات سے مغلوب ہو کر کلام نہیں فرمایا۔ جن کی بنا پر کسی کو (خواہ مخواہ) بڑھا چڑھا کر پیش کریں۔ بلکہ آپؐ رسالت کے نکتۂ نظر سے افراد کی قدر و قیمت کے قائل تھے۔ پیغمبرؐ بشر ہیں اور دوسرے انسانوں ہی کی مانند اپنی بیٹی کو آغوش میں لیتے ہیں اور اس پر اپنی محبت نچھاور کرتے ہیں۔ لیکن جب کسی کو کوئی عنوان یا حیثیت بخشنا چاہتے ہیں تو رسالت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ اس سلسلے میں ان پر وحی ہوتی ہے۔

پس جب آپؐ فرماتے ہیں کہ "فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے" تو اس کے کیا معنی ہیں؟۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپؑ رسولِ خداؐ سے عضوی رابطہ رکھتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ان کے بدن کا ایک زندہ جز ہوں۔ جب کوئی شخص رسول اللہؐ کے وجود کا حصہ ہو جائے تو طبعاً اس کی عقل بھی پیغمبرؐ کی عقل کا ایک ٹکڑا ہو گی اور اس کی روح بھی پیغمبرؐ کی روح کا ایک گوشہ ہو گی اور اس کی حیات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کا ایک جز ہو گی اور اس کی پاکیزگی، صفا، معنویت، صدق اور امانت داری بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان صفات کا ایک حصہ ہو گی۔

اگر پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ: "جس کسی نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی"۔ تو یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ رسالت الٰہی کے حامل حضرات اپنے بچوں کے بارے میں لوگوں کے جائز غصے پر جذبات سے مغلوب نہیں ہوتے۔ کیونکہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ اگر ایک صالح باپ یہ دیکھے گا کہ لوگ اس کے بچے پر اس کے کسی برے کام کی بنا پر یا اس کے کسی گناہ کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے غصے ہو رہے ہیں تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ جس کسی نے میرے فرزند کو اذیت پہنچائی ہے اس نے مجھے اذیت دی ہے۔

لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے معنی یہ ہیں کہ: یہ ممکن ہی نہیں کہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کسی کے ساتھ کوئی برائی کریں یا گفتار اور عمل میں ناشائستگی کی مرتکب ہوں، جس کی بنا پر لوگوں کو انھیں اذیت و آزار پہنچانے اور ان سے رنجیدہ ہونے کا حق مل جائے۔

فاطمہؑ ایسی ہستی ہیں کہ کوئی ان سے سرزد ہونے والی کسی خطا (کہ حضرت فاطمہؑ ہر خطا سے منزہ ہیں) کو بہانہ بنا کر ان پر غضب ناک نہیں ہو سکتا۔

حضرت ختمی مرتبتؐ کے کلام کے معنی یہ ہیں کہ فاطمہؑ ایک ایسی انسان ہیں جو کسی برے عمل کی مرتکب نہیں ہوتیں، گناہ نہیں کرتیں، گمراہ نہیں ہوتیں۔ لہٰذا جس کسی نے بھی ان سے عداوت کی، اس نے حق سے عداوت کی اور خدا کی صراطِ مستقیم کا دشمن ہوا ہے۔

ہم رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام (من اغضبها اغضبنی و یوذینی ما اذاها) سے یہ مراد لیتے ہیں کہ فاطمہؑ صرف اسی وقت آزردہ ہوتی ہیں جب

خدا کی نا فرمانی ہو، اور صرف اسی وقت رنجیدہ ہوتی ہیں جب لوگ خدا سے مُنھ موڑتے ہیں۔

اگر ان کی آزردگی کی وجہ اللہ اور اس کے رسُولؐ کی نافرمانی نہ ہوتی تو کیونکر ممکن تھا کہ پیغمبرؐ ان کی آزردگی پر آزردہ ہوتے؟۔

رسولِ کریمؐ سے سب سے زیادہ مشابہ

اب ہم ایک اور غیر شیعی کتاب "استیعاب" پر نظر ڈالتے ہیں تاکہ یہ بات واضح کردیں کہ یہ باتیں غیر متنازع ہیں۔ کیونکہ بعض لوگ شیعوں پر تُہمت لگاتے ہیں کہ وہ جذبات و احساسات سے مغلوب ہوکر گفتگو کرتے ہیں۔

ابن عبدالبر نے کتاب استیعاب میں سند کے ذکر کے ساتھ لکھا ہے کہ ام المومنین عائشہ نے کہا:

ما رأیت احدا کان اشبہ کاملا و سمتا و ھدیا و دلا برسول اللہ من فاطمۃ و کانت اذا دخلت علیہ قام الیھا فاخذ بیدھا فقبلھا و اجلسھا فی مجلسہ و کانت اذا دخل علیھا قامت الیہ فاخذت بیدھا فقبلتھا و اجلستہ فی مجلسھا۔

(میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ جو کلام، سراپے، اخلاق اور نیک سیرتی میں فاطمہؑ کی مانند رسُول کریمؐ کے مشابہ ہو۔ جب کبھی فاطمہؑ رسُولؐ کے یہاں آتیں تو پیغمبرؐ اپنی جگہ سے کھڑے ہوجاتے اور ان کا ہاتھ تھام کر اس کا بوسہ لیتے، اور انھیں اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اور جب کبھی پیغمبرؐ فاطمہؑ کے یہاں تشریف لے جاتے تو فاطمہؑ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوتیں، آنحضرتؐ کا دست مبارک تھام کر اسے بوسہ کرتیں اور انھیں اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔)

جب ہم کتاب "اِستیعاب" میں یا سُنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ سے نقل ہونے والے اِس واضح اور صریح کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو کیا بات ہمارے علم میں آتی ہے؟۔

یہ کلام، رسُولِ مقبولؐ اور حضرت فاطمہؑ کے درمیان گہرے روحانی تعلّق کی نشاندہی کرتا ہے۔ کیونکہ رسُول گرامی کسی اور کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے تھے اور فاطمہؑ بھی کسی اور کے ساتھ یہ طرزِ عمل نہیں اپناتی تھیں۔ اور یہ باہمی طرزِ عمل صرف پیغمبرؐ اور ان کی پیاری بیٹی کے مابین نظر آتا ہے۔ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور حضرت رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اس تعلّق کا آغاز حضرت فاطمہؑ کے بچپنے ہی سے ہوچکا تھا۔ ہر چند ہمیں (کُتب) سیرت میں حضرت زہراءؑ کے بچپنے اور ان کی مادر مہربان حضرت خدیجہؑ کی حیات میں آپ کے اور آپ کے والد گرامی کے درمیان اس تعلّق کا کوئی خاص سراغ نہیں ملا۔ لیکن حضرت خدیجہؑ اور پیغمبر اسلامؐ کے محبوب چچا حضرت ابوطالبؑ (جو قریش کے حملوں سے پیغمبرؐ کو محفوظ رکھا کرتے تھے) کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جب پیغمبرؐ بالکل تنہا رہ گئے تھے، اس زمانے کے تذکرے پر مُشتمل کُتب سیرت سے ہمیں اس تعلّق کا کچھ پتا چلتا ہے۔

علیؑ و فاطمہؑ آئینۂ پیغمبرؐ ہیں

علیؑ اور فاطمہؑ کا عقدِ ازدواج دو ایسے طالب علموں کا بندھن ہے جو ایک ہی استاد کے محضر درس سے مستفید ہوئے ہیں اور یہی عامل اس بات کا سبب ہوا ہے کہ وہ

عقلی، روحانی، اخلاقی اور کرداری لحاظ سے آپس میں مکمل ہم آہنگ ہیں۔ لہٰذا جب ہم حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں رسولِ خداؐ نظر آتے ہیں۔ اسی طرح جب فاطمہ زہراؑ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کے وجود میں بھی پیغمبر کا نظارہ کرتے ہیں۔

حاکم کتاب مُستدرک میں سند کے ذکر کے ساتھ ابی ثعلب سے نقل کرتے ہیں کہ:

جب کبھی رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنگ یا سفر سے پلٹتے تو سب سے پہلے مسجد تشریف لے جاتے اور دو رکعت شکرانے کی نماز ادا کرتے۔ اس کے بعد اپنی بیٹی فاطمہؑ کے یہاں جاتے اور پھر اپنی ازواج سے ملاقات کرتے۔

اس بات کا مطلب یہ ہے کہ فاطمہؑ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوسروں سے حتیٰ کہ آپ کی ازواج تک سے تعلق میں مرکزی نُقطے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حاکم اسی مذکورہ کتاب میں سند کے ذکر کے ساتھ یوں روایت کرتے ہیں کہ:

جب کبھی پیغمبرؐ عازم سفر ہوتے تو سب سے آخر میں فاطمہؑ سے وداع ہوتے۔

یعنی سفر پر نکلتے ہوئے سب سے آخر میں جو چہرہ دیکھتے وہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا رُخِ انور ہوتا، تا کہ آپ کا سراپا اور وہ مہربانی اور محبت جس کا زہراؑ اپنے والد گرامی کے لیے اظہار کرتی تھیں، دورانِ سفر آپؐ کی روح کی تسکین اور قوت قلب کا موجب رہے۔

(روایت ان الفاظ کے ساتھ آگے بڑھتی ہے کہ)

جب بھی (رسُولِ اکرمؐ) سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے فاطمہؑ کے دیدار کو جاتے۔ کیونکہ پیغمبرؐ پورے سفر کے دوران ان سے ملاقات کا اِشتیاق رکھتے تھے۔ وہ اشتیاق جس کی مانند اشتیاق کسی اور کے لیے آپ کے دل میں نا پایا جاتا تھا۔ لہٰذا اس آتشِ شوق کو سب سے پہلے ان کا دیدار کر کے بجھاتے۔

اِستیعاب میں سند کے ذکر کے ساتھ روایت کی گئی ہے کہ:

ام المومنین عائشہ سے پوچھا گیا:

پیغمبرؐ کے نزدیک محبوب ترین ہستی کون تھی؟۔

حضرت عائشہ نے جواب دیا: فاطمہؑ۔

راوی نے دریافت کیا:

مردوں میں آنحضرتؐ کسے سب سے زیادہ پسند کرتے تھے؟۔

کہا: ان کے شوہر (علیؑ) کو، کہ میں انھیں بہت زیادہ روزہ دار اور نماز گزار پایا ہے۔

ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں سند کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ:

ما رأیت احدا قط اصدق من فاطمۃ غیر ابیھا۔

(میں نے فاطمہؑ سے زیادہ راست گو کسی کو نہیں دیکھا سوائے ان کے والدِ گرامی کے۔)

جی ہاں! آپؑ سچائی اور صداقت کے اس مقام پر فائز ہیں کہ کوئی مُسلمان آپؑ کے رتبے تک نہیں پُہنچا۔ اور مقامِ صدق میں کوئی ان سے بلند نہ ہوسکا۔ اور یہ مقام

رسُولِ خُدا سے آپؑ کی پیوستگی اور آنحضرتؐ کی اس ممتاز صفت سے آپ کی یگانگت کا عکاس ہے۔ کیونکہ صداقت رسُولِ مقبُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وہ امتیازی خُصُوصیت تھی جس نے لوگوں کے دلوں میں آپؐ کی نبوت کی قبولیت کی راہ ہموار کی۔ بالفاظِ دیگر نبوت قبول کرنے کی بنیادیں آپ کی صداقت اور امانت ہیں۔ امانت، صدق کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یوں صدق اور امانت ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ کسی صادق اور سچے انسان کا خیانت کا مرتکب ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ خیانت جھوٹ کی ایک قسم ہے۔

فاطمہؑ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کا آئینہ ہیں۔ آپؑ صدق کی بدولت ایک بلند درجے پر فائز ہوئیں اور اپنے والد گرامی حضرت محمد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد، اپؑ سے زیادہ سچا کوئی اور نہیں۔ کیونکہ ان کا صدق، اپنے والد گرامی کے صدق سے مُتصِل ہے، جنھوں نے صدق کو ان کی عقل میں بویا تھا، تاکہ ان کی فکر، صادقانہ فکر ہو، اور صدق کو ان کے جذبات و احساسات میں رچایا بسایا تھا، تاکہ وہ صادقانہ جذبات و احساسات کی حامل ہوں اور صداقت کو ان کی حیات میں داخل کیا تھا، تاکہ ان کی پوری کی پوری زندگی صداقت سے سرشار ہو۔

فاطمہؑ بچپنے ہی سے اپنے والد کے سلسلے میں اس احساسِ ذمہ داری کی مالک تھیں جو احساسِ ذمہ داری ایک ماں اپنے بچے کے بارے میں رکھتی ہے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ ایک روز پیغمبرؐ سجدے کی حالت میں تھے کہ قریش (کے کچھ لوگوں) نے جانور کی اوجھڑی آنحضرتؐ کی پُشت پر پھینک دی۔ فاطمہؑ دوڑ کے آئیں اور اس گندگی کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب پیغمبرؐ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد الحرام کی سمت تشریف لاتے تھے تو اس موقع پر فاطمہؑ اپنے والد گرامی کے ہمراہ ہوا کرتی تھیں۔ یہ قصہ اپنے بابا کے حالات سے باخبر رہنے اور مشرکین کی حرکتوں پر نظر رکھنے کے سلسلے میں حضرت فاطمہؑ کے اہتمام کی نشاندہی کرتا ہے۔

جنگوں میں بھی والد کے ہمراہ

اسی طرح اپنے والد کے ساتھ ساتھ رہنے کے سلسلے میں حضرت فاطمہؑ کی روش کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آپؑ بعض جنگوں میں بھی پیغمبرؐ کے ہمراہ تھیں۔ مؤرخین نے مدینہ میں آپؑ کی سرگرمیوں کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ: جنگ احد میں پیغمبرِ اسلامؐ زخمی ہوگئے۔ حضرت علیؑ نے آپؐ کے زخم کو صاف کیا اور پٹی باندھ دی۔ لیکن جب خون نہ رکا تو فاطمہؑ آئیں۔ اس حال میں کہ آپ رو رہی تھیں۔ انھوں نے اپنے پدر بزرگوار کو آغوش میں لیا۔ ایک چٹائی جلائی اور اس کی راکھ زخم پر رکھ دی۔ یہاں تک کہ خون بند ہو گیا۔

یہ قصہ حضرت فاطمہؑ کی اپنے والد گرامی سے محبت کی گہرائی اور ان کی حفاظت اور دیکھ بھال کے سلسلے میں توجہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس زمانے میں پیغمبرؐ کی چند بیویاں تھیں لیکن فاطمہؑ آنحضرتؐ کے احوال کی جُستجو، ان کی دیکھ بھال اور ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے سلسلے میں خود کو ان کی بیویوں سے زیادہ ذمہ دار سمجھتی تھیں۔

باب المتفرقات

امامت نبوت سے افضل عہدہ ہے

تحریر: سیّد محمد حسین زیدی برستی مدظلہ العالی

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نبوت کے فرائض انجام دیتے ہوئے کئی امتحانوں میں کامیاب ہونے کے بعد امام بنانے سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امامت کا منصب نہ صرف نبوت کے منصب سے علیحدہ ایک مُستقل منصب ہے، بلکہ نبوت کے منصب سے بڑھ کر اور افضل تر ہے اور اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے عہدۂ امامت پانے کے بعد اپنی ذریت میں عہدۂ امامت کے جاری رہنے کی دعا کی تھی اور بہت سے علماء کا مؤقف یہی ہے کہ چونکہ ابراہیمؑ کی نظر میں منصبِ امامت، عہدۂ نبوت سے بہت بڑھ کر اور عظیم تر نظر آیا، لہذا اسی وجہ سے اپنی ذریت میں اس کے جاری رہنے کی دعا کی۔ اگرچہ اس بات کے صحیح ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ چونکہ ابراہیم علیہ السّلام جانتے تھے کہ ایک دن نبوت ختم ہوجائے گی اور امامت قیامت تک باقی رہے گی لہذا انھوں نے اس وجہ سے بھی اپنی ذریت میں امامت کے جاری رہنے کی دعا کی۔

ایک اور بات جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہدۂ امامت ایک مُستقل خُدائی منصب ہے۔ یہ ہے کہ اگر یہ خدائی منصب نہ ہوتا تو ابراہیم علیہ السّلام عہدۂ امامت ملنے کے بعد اس کے لیے خدا سے اپنی ذریت کے واسطے دعا نہ کرتے اور اپنے بعد یا تو خود کسی کو امام بنا دیتے یا عوام پر چھوڑ دیتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عہدۂ امامت خالصتًہ ایک الٰہی منصب ہے اور کوئی ایسا منصب نہیں ہے جس پر خود کسی کو مقرر کردیا جائے یا عوام پر چھوڑ دیا جائے۔

اور "لا ینال عھدی الظالمین" میں "عھدی" خود یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ ایک خدائی منصب ہے جس کا تقرر صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور جس کا خدا نے ابراہیم علیہ السّلام کی ذریت میں جاری رکھنے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ کیونکہ از روئے لغت "عھد" اس وعدہ کو کہتے ہیں جس کے پورا کرنے کا کوئی ذمہ لے لے۔ جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں "العھد" کے معنی میں لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں: "کسی چیز کی پیہم نگہداشت اور خبرگیری کرنا"۔ اس بنا پر پختہ وعدہ کو بھی "عہد" کہا جاتا ہے جس کی نگہداشت ضروری ہو۔

اور ظالمین کو یہ منصب نہ دینے کا بیان یہ ثابت

کرتا ہے کہ امام معصوم عن الخطا ہوتا ہے اور کیونکہ اس بات کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جان سکتا کہ معصوم عن الخطا کون ہے، لہذا امام کا تقرر سوائے خدا کے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

یہاں پر ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ امامت کو نبوت سے افضل ماننے میں امامت کا انکار کرنے والوں کے لیے ان کا یہ ذہنی خلفشار بھی مانع ہے کہ اگر امامت کو نبوت سے افضل مان لیا گیا تو اس سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امام کی فضیلت ماننا لازم آئے گا۔

لیکن ان کا یہ خیال قطعی غلط ہے۔ کیونکہ پیمبر اکرمؐ نہ صرف نبی ہیں بلکہ وہ امام اور ہادی برحق بھی ہیں اور آپ دعائے ابراہیمی یعنی "قال و من ذریتی" کے بہترین و عمدہ ترین و افضل ترین مصداق ہیں۔

اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میں ابراہیمؑ کی دعا ہوں، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابراہیمؑ کی اپنی ذریت میں امامت کی دعا کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لہذا آپؐ نبی بھی ہیں اور امام بھی ہیں۔ لہذا امامت کو نبوت سے افضل ماننے میں پیغمبر اکرمؐ کے بعد آنے والے امام کا پیغمبر اکرمؐ سے افضل ہونا لازم نہیں آسکتا۔

اور خاتم النبیین کی آیت سے صرف نبوت کا ختم ہونا ثابت ہوتا ہے، امامت کا ختم ہونا لازم نہیں آتا۔ لہذا امامت جاری ہے، جو نہ صرف دعائے ابراہیمی سے ثابت ہے بلکہ قرآن کے ساتھ بہت سی اسلامی روایات سے بھی ثابت ہے اور اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی ایک آیت ہی کافی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے کسی بندے کی ایک دعا کو ان الفاظ میں نازل فرمایا ہے:

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرۃ اعین و اجعلنا للمتقین اماما۔ (الفرقان: ۷۴)

اور وہ (ہمارے خاص بندے) جو یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہم کو ہماری ازواج کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام و پیشوا بنا دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی ذریت کے لیے "قال و من ذریتی" کہہ کر امامت کی دعا کی تھی۔ لیکن ابراہیمؑ کی یہ دعا غیر مشروط تھی۔ لہذا خدا نے خود سے اس کو مشروط کر دیا کہ جو ظالم ہوں گے وہ میرے اس عہد سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے اور تمھاری ذریت میں جو غیر معصوم ہوں گے وہ اس منصب پر فائز نہ ہو سکیں گے۔ لیکن خدا کے اس خاص بندے نے پہلے ہی اپنی ذریت میں ایسی اولاد کے لیے دعا کی جو آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی طاعت الٰہی کے راستے پر گامزن ہوں۔ امامت کی دعا کی کہ "و اجعلنا للمتقین اماما" ہم سب کو متقین کا امام و پیشوا بنا دے۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے واضح طور پر کہا ہے کہ ہمارے ایک بندے نے اپنے لیے اور اپنی ذریت کے لیے مُتقین کا امام بنانے کی دعا کی ہے اور خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں جتنی دعاؤں کا ذکر کیا ہے ان کے ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا

ہے اور یہ ایک انداز ہے خدا کے بیان کرنے کا جس میں اس نے اپنے ایک مخلص بندے کی دعا کا ذکر کر کے یہ بیان فرمایا ہے کہ پیغمبر کے بعد اور ہادی خلق ہوں گے اور وہ امام المتقین کے لقب سے ملقب ہوں گے۔

جب ہم تحقیق کرتے ہیں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جسے پیغمبر نے امام المتقین فرمایا ہے۔ چنانچہ آغا سُلطان مرزا نے اپنی کتاب البلاغ المبین جلد اول کے صفحہ ۵۱۴ پر ریاض النضرہ الجز الثانی باب الرابع فصل السادس اور حاکم کی مُستدرک علی الصحیحین الجز الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ترجمہ علی بن ابی طالب (علیہما السّلام) صفحہ ۱۲۸ اور مُتقی کی کنز العمال الجز السادس صفحہ ۱۵۷ حدیث ۲۶۳۰، ۲۶۲۸، ۲۶۲۵، ۲۶۲۶ وغیرہ کے حوالے سے جو احادیث نقل کی ہیں ان میں سے ایک حدیث اس طرح ہے :

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :
"انک سید المسلمین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین و یعسوب الدین"۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جناب رسُول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؑ تم مُسلمانوں کے سردار، مُتقین کے امام، سفید مُنھ والوں کے حاکم اور دین کے سردار ہو۔ پس حضرت علی علیہ السّلام اور ان کی ذریت ہی وہ امام تھے جن کا ذکر خداوند تعالیٰ نے ان کی دعا کے ضمن میں فرمایا ہے۔

اور اگر پیغمبر کے بعد امامت کا سلسلہ جاری نہ ہوتا اور امامت بھی ختم ہو گئی ہوتی تو قرآن مقام مدح میں اس دعا کا ذکر نہ کرتا اور کسی بندے کی کسی ایسی دعا کا ذکر نہ کرتا جس میں اس نے خود اپنے لیے اور اپنی ذریت کے لیے مُتقین کا امام بنانے کی دعا کی تھی۔ بلکہ اگر امامت بھی ختم ہو گئی ہوتی تو کوئی ایمان لانے والا ہرگز ہرگز اپنے لیے اور اپنی ذریت کے لیے امامت کی دعا نہ کرتا۔ جیسا کہ کسی مُسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ نبوت کے ختم ہوجانے کے بعد یہ دعا کرے کہ خداوندا مُجھے اور میری ذریت کو نبی بنادے۔ لہٰذا یقینی طور پر اور حتماً پیغمبر کے بعد امامت جاری ہے۔ جس کو صرف خدا ہی مقرر فرماتا ہے اور وہ معصُوم عن الخطاء ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے پیغمبر نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

"من مات و لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ"۔ (مسند احمد بن حنبل الجزء الرابع صفحہ ۹۶)

یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اگر پیغمبر کے بعد امامت جاری نہ ہوتی اور ہر زمانہ کے لیے خدا کے حکم سے پیغمبر کا مقرر کردہ امام موجود نہ ہوتا تو پیغمبر ہرگز یہ نہ فرماتے کہ جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا، اور کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النّبیین ہونے کے ساتھ ساتھ امام و ہادی خلق بھی ہیں، لہٰذا آپؐ کا جانشین ختم نبوت کی وجہ سے نبی تو نہ ہوگا لیکن وہ امام و ہادی خلق ہوگا اور آپؐ کے کارِ ہدایت کو جاری رکھے گا اور یہی آنحضرتؐ کی اصل جانشینی تھی اور چونکہ جانشین کو عربی زبان میں خلیفہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا پیغمبر نے یہ پیشین گوئی

فرمائی تھی کہ میرے بعد میرے بارہ خلیفہ یعنی جانشین ہوں گے جو امام و ہادی خلق ہوں گے اور میری امامت کی جگہ امام و ہادی خلق بن کر میری جانب سے میرے جانشین و خلیفہ کے طور پر میری جگہ ہدایت کرنے کے لیے میری ذمہ داری پوری کریں گے۔

اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ خلیفہ یا خلافت کوئی عہدہ یا کوئی منصب نہیں ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی غلط ثابت ہو گیا کہ اسلام "نظامِ خلافت" کا داعی ہے اس معنی میں کہ خلیفہ یا خلافت کوئی منصب ہو، البتہ ہادیوں کے جانشین ہادی ہوتے رہے ہیں اور یہ نظام ہی اسلام میں قائم رہا ہے، جس کی وضاحت اس طرح ہے:

نظامِ اسلام نظامِ ہدایت ہے

نظامِ اسلام سارے کا سارا نظامِ توحید کے گرد گھومتا ہے اور نظامِ توحید کی ایک شاخ نظامِ ہدایت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ان علینا للھدیٰ۔ ہدایت دینا صرف ہمارا ہی کام ہے۔ (والّلیل: ۱۲)

پھر فرمایا:

و من یھدی اللہ فھو المھتدی۔ جسے اللہ ہدایت کرے بس وہی ہدایت پاتا ہے۔ (الاعراف: ۱۷۸)

اور جب آدم علیہ السّلام کو زمین پر بھیجا تو فرمایا:

فاما یاتینکم منی ھدی۔ اب میری طرف سے تمھارے پاس میری ہدایت پہنچا کرے گی۔ (البقرۃ: ۳۸)

لہٰذا اس نے ہدایت کا ایک نظام مقرر کیا اور اپنی مخلوق میں ایک گروہ خاص طور پر ہادیوں کا خلق فرمایا، جو انسانوں کی ہدایت کے لیے مامور کیا جاتا رہا، خدا کے مقرر کردہ ان ہادیوں کے مختلف مناصب تھے، جنھیں قرآن کی اصطلاح میں نبی، رسول اور امام کہتے ہیں۔ ان ہادیوں میں کچھ ہادی صرف نبی تھے، وہ رسول اور امام نہیں تھے۔ کچھ ہادی نبی بھی تھے، رسول بھی تھے، لیکن وہ امام نہیں تھے اور کچھ ہادی ایسے تھے جو نبی بھی تھے، رسول بھی تھے اور امام بھی تھے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور ہمارے پیغمبر حضرت ختمی مرتبت، اور کچھ ہادی ایسے تھے جو ختم نبوت کی وجہ سے مرتبہ نبوت پر تو فائز نہ ہوئے لیکن وہ امام و ہادی خلق تھے، جیسے وہ بارہ امام ہادی خلق تھے جو پیغمبر کی امامت و ہدایت کو جاری رکھنے کے لیے ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

و ممن خلقنا امة یھدون بالحق و به یعدلون۔ (الاعراف: ۱۸۱)

ہم نے اپنی مخلوق میں ایک گروہ کو خاص طور پر حق کے ساتھ ہدایت کرنے کے لیے پیدا کیا ہے جو حق کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

و لکل قوم ھاد۔ (الرعد: ۷)

اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوا کرتا ہے۔

اسی لیے پیغمبر ختمی مرتبت کے لیے فرمایا:

انك لتھدی الیٰ صراط مُستقیم۔ (الشوریٰ: ۵۲)

(اے پیغمبر) بے شک تم صراطِ مُستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہو۔

اور اسی لیے خدا نے فرمایا:

ان تطیعوہ تھتدوا۔ (النور: ۵۴)

اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

خداوند تعالیٰ نے انسان کو حر اور آزاد خلق فرمایا ہے اور اسے صاحب ارادہ و اختیار بنایا ہے۔ وہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کا غلام نہیں بناتا۔ نہ غلبہ کے ذریعہ سے، اور نہ ہی کسی اور طریقہ سے۔ اس نے انسانوں کو کسی دوسرے انسان کی اطاعت کا حکم صرف اس کی ہدایت کے لیے دیا ہے۔ لہٰذا وہ ہادیوں کی اطاعت کے سوا اور کسی کی اطاعت کا حکم نہیں دے سکتا۔ اس نے پیغمبر کی اطاعت کی علت بتا کر یہ جتلا دیا ہے کہ میں جس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں وہ اس وجہ سے دیتا ہوں کہ اس کی اطاعت سے ہدایت ملے گی۔

لہٰذا حکومت الٰہیہ یا حکومت اسلامی کسی کو کسی انسان کا غلام نہیں بناتی، بلکہ اس نے انسان کی سعادت و خوش بختی اور تکامل و ارتقا کے لیے ہادیوں کا ایک نظام قائم کیا ہے اور اس نے ہادیوں کی اطاعت کا حکم انسانوں کے ہدایت یاب ہو کر سعادت و خوش بختی کی معراجِ کمال تک پہنچنے کے لیے دیا ہے۔

خلافت کے بدلتے ہوئے اصول

تاریخ کا کوئی بھی طالب علم اس بات سے ناواقف نہیں ہے کہ مُسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں بنی امیہ اور بنی عباس کے بادشاہ اور سلطنت ترکیہ کے فرمانروا ۱۹۲۴ء تک اپنے آپ کو خلیفہ ہی کہلواتے رہے اور مُسلمان علماء، دانشور اور مجتہدین حکومت ان بادشاہوں کو خلیفہ، ظل اللہ اور ظل سبحانی ہی کہتے رہے۔ لہٰذا ان چودہ سو سال کے عرصہ میں مُسلمانوں کی جتنی بھی نسلیں گزریں ان کے ذہنوں میں یہ بات پختہ ہو گئی اور خوب اچھی طرح سے بیٹھ گئی کہ خلیفہ کے معنی حاکم یا بادشاہ کے ہیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطنت عُثمانیہ ترکیہ کا تختہ الٹ دیا اور خلافت کا خاتمہ کر کے خود ترکی کے صدر بن گئے۔

اس موقع پر ایک لطیفہ ہوا:

ہندوستان کے مُسلم زعما جو تحریکِ خلافت چلا رہے تھے، مُصطفیٰ کمال پاشا کی طرف سے خلافت کے منصب کو ختم کرنے پر بڑے پریشان ہوئے اور انھوں نے ایک وفد ترکی بھیج کر مُصطفیٰ کمال پاشا سے یہ استدعا کی کہ وہ خلافت کے ادارہ کو ختم نہ کریں۔ آپ خود خلافت کا اعلان کر دیں۔ ہم آپ کو خلیفہ مان لیں گے۔ لیکن مُصطفیٰ کمال پاشا نے جواب دیا کہ: "جس وقت خلیفہ کا لفظ اِستعمال کیا گیا اس وقت اس کی ضرورت تھی، اب اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی"۔ لہٰذا ہندوستان کے مُسلم زعماء کا وفد اپنا سا مُنھ لے کر واپس آ گیا۔

اس کے بعد سیاست کے میدان میں مغرب کی ثقافت کی یلغار نے مُسلمانوں کی پہلی حکومت کے طرفدار علماء اور دانشوروں کو جو چودہ سو سال تک بادشاہوں کو خلیفہ کہتے رہے تھے اور انھیں قرآن کا اولی الامر قرار دے کر ان کی اطاعت کو واجب اور فرض عین کہا کرتے تھے، مجبور کر دیا کہ وہ مغرب کے جمہوری نظام اور جمہوریت کے مقابلہ میں سرخروئی حاصل کرنے کے لیے

یہ کہیں کہ اسلام میں بادشاہت نہیں ہے، بلکہ قرآن اور اسلام جمہوریت کا داعی ہے۔

چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کی پہلی قائم شدہ حکومت کے اِبتدائی حُکمرانوں کی حکومت کو بھی جمہوری اور شورائی کہنا شروع کردیا۔ حالانکہ نہ وہ جمہوری تھی اور نہ شورائی۔ جیسا کہ ہم نے "شیوہ حکومت اِسلامی" میں ثابت کیا ہے۔ اگر حاکم کا لوگوں سے مشورہ کرنا، شوریٰ یا جمہوریت ہو تو پھر کوئی بھی حاکم یا بادشاہ ایسا نہیں ہوا، جو اپنے مشیروں سے مشورہ نہ کرتا ہو، خواہ وہ کتنا ہی مُطلق العنان اور ڈکٹیٹر کیوں نہ ہو۔ جیساکہ قرآن کریم میں ملکہ سبا کے اپنے اعیانِ سلطنت سے مشورہ کرنے کا واضح طور پر ذکر موجود ہے۔

بہرحال مغرب کی ثقافت کی یلغار کے بعد چودہ سو سال تک بادشاہوں کو خلیفہ، اولی الامر، ظل اللہ اور ظل سبحانی کہنے والوں نے قرآن سے جمہوریت کے شواہد تلاش کرنے شروع کردیے اور جمہوریت کو عین اسلام ثابت کرنے کے لیے قرآن کی آیات کو اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھالنا شروع کردیا، اور اس طرح پہلے ہر انسان کو خدا کا نائب اور خدا کا خلیفہ کہنا شروع کردیا۔ چنانچہ "جواہر اسلام" کے مؤلف لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجموعی حیثیت سے زمین پر اپنا نائب بنایا"۔

(جواہر اسلام مرتبہ شیخ محمد اقبال صفحہ ۲۹۳)

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:

خلافت کا حق پوری مِلّت کو عطا ہوتا ہے، مِلّت کے سب افراد نظم ونسق میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ وہ باہم مشورہ کرکے اپنی رضا سے کچھ اختیارات ایک دیندار اور اہل شخص کو سونپ کر اسے رئیس اعلیٰ مان لیتے ہیں۔ یہ شخص اِصطِلاحًا خلیفہ کہلاتا ہے۔

(جواہر اسلام مرتبہ شیخ محمد اقبال صفحہ ۲۹۴)

یہ کتاب پاکستان کے اعلیٰ تعلیم اداروں میں لازمی اسلامیات کے طور پر پڑھائی جا رہی ہے۔ اب حق کا متلاشی یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ اگر اسلام میں بادشاہت نہیں ہے تو جن علماء اور دانشوروں نے بلکہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے چودہ سو سال تک بادشاہوں کو خلیفہ قرار دے کر اور قرآن کا اولی الامر بتلا کر انھیں خلیفہ منوایا، ان علماء دانشوروں بلکہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور اس امت کا کیا بنے گا؟۔

اگر گزشتہ چودہ سو سال تک بادشاہوں کو خلیفہ کہنے اور کہلوانے والے علماء صحیح تھے تو اب ہر انسان کو خدا کا خلیفہ کہنے والے علماء اور موجودہ امت کا کیا بنے گا۔ کیونکہ اگر پہلے کے چودہ سو سال کے عمل کو صحیح مانا جائے تو موجودہ نظریہ کو غلط ماننا پڑے گا۔ یہ دونوں نظریے ہی غلط ہوں اور صحیح نظریہ کوئی تیسرا نظریہ ہو۔ جسے تعصب اور پہلے سے قائم کیا ہوا نظریہ قبول کرنے کی اجازت نہ دیتا ہو۔

ایک اور سوال جو خاص طور پر قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ گزشتہ چودہ سو سال کے عرصہ میں جو لوگ بادشاہوں کو خلیفہ کہتے رہے اور بادشاہت کو جائز سمجھتے رہے وہ بھی بزرگ، دانشور علماء و محدثین اور ائمۂ مجتہدین ہیں، بلکہ صحابہ و تابعین، تبع تابعین بھی ہیں اور موجودہ

صدی میں جمہوریت کا چرچا ہونے کے بعد بادشاہت کو اسلام کے خلاف اور جمہوریت کو اسلام کے مطابق اور ہر انسان کو خدا کا خلیفہ کہنے والے بھی موجودہ صدی کے بزرگ، دانشور علماء و مفکرین ہیں۔ اور یہ سب کے سب اپنے مطلب پر قرآن سے سند لاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے: ؎

احکام تیرے حق ہیں مگر ان کے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پاژند

ایسا کیوں ہے؟

ایسا اس وجہ سے ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی خود کو قرآن کا شاگرد بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ خود کو قرآن کا استاد بنانے کی کوشش کی۔ خود کو قرآن کے ماتحت نہیں مانا، بلکہ خود قرآن کو اپنے ماتحت بنایا۔ خود کو اس بات کے لیے آمادہ نہیں کیا کہ سالم قرآن سے غیر جانبدارانہ اور ایماندارانہ طور پر فیصلہ لے کر اس کو تسلیم کریں، بلکہ جو کچھ تسلیم کر لیا تھا، اس پر قرآنی آیات کو چپکانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب مُسلمانوں کی پہلی اور دوسری حکومت پر نظر پڑی اور کوئی اصول نظر نہ آیا تو یہ کہا کہ اہل حل و عقد میں سے کسی ایک آدمی کا کسی کو خلیفہ بنا دینا کافی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر بنایا۔ (شرح مواقف ص ۲۵۲ مطابق نقل شرح نہج البلاغۃ مفتی جعفر حسین)

اور جب یہ دیکھا کہ بادشاہ کا وارث اس کا بیٹا اور اولاد ہوتی چلی جا رہی ہے تو پھر انھیں بھی خلیفہ، ظلّ اللہ اور ظلّ سبحانی کہنا شروع کر دیا۔ اور جب مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت عثمانیہ کا تختہ الٹ دیا اور مغرب کی یلغار سے جمہوریت کا چرچا ہونے لگا تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام میں بادشاہت نہیں ہے بلکہ اسلام میں جمہوریت ہے اور ان سب نظریات پر قرآن کی آیات کو ہی چپکایا جاتا رہا۔

حالانکہ قرآن میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ پھر ایسا کیوں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ایک عقیدہ اور ایک نظریہ کو پہلے اپنایا، اور اپنے پہلے سے اپنائے ہوئے عقیدہ اور نظریہ پر قرآن کی کسی آیت یا کسی آیت کے ایک حصّہ کو اس کے سیاق و سباق سے جدا کر کے اور سارے قران سے علیحدہ کر کے اور قرینہ کا خیال رکھے بغیر غلط طور پر اپنے پہلے سے قائم کردہ عقیدہ نظریہ یا جو کچھ اپنی طرف سے مان کر ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس پر دلیل کے طور پر چپکا دیا۔

حکومت کے سلسلہ میں ضابطہ اور اصولوں کے بدلتے رہنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ مُسلمانوں کی پہلی حکومت کسی اصول یا ضابطہ کے ماتحت قائم نہیں ہوئی تھی، بلکہ مُسلمانوں کی پہلی حکومت قائم کرنے والوں نے پیغمبر کی حکومت کو ایک دنیاوی حکومت سمجھا اور یہ نعرہ لگا کر کہ نبوت اور حکومت کو ایک ہی خاندان میں نہ جانے دیں گے، حکومت پر قبضہ کر لیا۔ جو کسی اصول یا ضابطہ کا مرہونِ منت نہ تھا۔ بلکہ پیغمبر کی حدیث شریف کے مطابق امارت کی حرص دنیا کی ہوس اور مذکورہ نعرہ کا مرہونِ منت تھا۔ لہذا بعد میں مُسلمانوں کی اس حکومت کے طرف داروں اور عقیدت مندوں کے لیے اصول بنانے میں مشکل آ پڑی اور پھر جو جس طرح بنتا چلا گیا،

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

باب المتفرقات

زکوٰۃ کی حقیقت اور اس کے احکام

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

اربابِ بصیرت پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ دین اسلام میں نماز کے بعد سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے۔ قرآن مجید میں قریبًا چالیس مقامات پر (۳۷ مقام) اقام الصلوۃ کے ساتھ ایتاء الزکوٰۃ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اسے کبھی انفاق، کبھی انفاق فی سبیل اللہ، کبھی صدقہ اور کبھی زکوٰۃ کے مختلف ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نماز کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور زکوٰۃ کا حقوق العباد کے ساتھ۔ ان کا ہر جگہ یکجا تذکرہ کرنا حقوق اللہ کی طرح حقوق العباد کی اہمیت کی واضح دلیل ہے۔

وُجوبِ زکوٰۃ کی اصلی غرض و غایت

انسانی زندگی کے چونکہ دو شعبے ہیں، ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔ اور اسلام ظاہری و باطنی زندگی کی اصلاح کا کفیل ہے۔ کیونکہ بموجب ارشاد قدرت (ظاہری اور باطنی گناہ کو چھوڑ دو) انسان کا حقیقی فضل و کمال اور مجد و شرف ظاہر و باطن ہر دو کی اصلاح میں ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ میں ان ہر دو پہلوؤں کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کا مرکزی مقصد تو وہی ہے جو خود لفظ زکوٰۃ کے اندر مضمر ہے۔ کیونکہ اس کے اصلی معنی ہیں "پاکی اور صفائی"۔ یعنی گناہ اور ہر قسم کی قلبی و روحانی برائیوں سے پاک ہونا۔

قد افلح من زکاھا و قد خاب من دساھا
جس شخص نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا، اور جس نے اس کو میلا کیا وہ نامُراد ہوا۔ (شمس)

تزکیۂ نفوس کو وظائف نبوت میں شامل کیا گیا ہے۔
یتلوا علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام میں تزکیۂ نفس کی کیا اہمیت ہے؟۔ انسان کی روحانی بیماریاں بالعُموم دو وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

1. خدا کے خوف اور خدا سے محبت کا فقدان۔
2. مال و دولت اور دیگر اسباب و آلات دنیوی سے محبت کا وجدان۔

اسلام نے پہلے سبب کا ازالہ نماز کے ذریعے کیا ہے اور دوسرے سبب کا قلع قمع زکوٰۃ سے کیا ہے۔ خلاقِ عالم اپنے نبیِ اعظمؐ سے خطاب کر کے فرماتا ہے:

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا۔
ان کے مالوں سے مال زکوٰۃ لے کر ان کو پاک و پاکیزہ بناؤ۔ (سورۃ التوبۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی راہ میں مال خرچ

کرنے سے پاک ہونے کے ساتھ آئینہ نفس کا سب سے بڑا زنگ یعنی محبت مال دور ہو جاتا ہے اور اس سے بخل ایسی مہلک بیماری کا علاج بھی ہو جاتا ہے۔

و من یوق شح نفسه فاؤلئك هم المفلحون۔

اور جو لوگ نفس کی بخیلی سے محفوظ رہیں وہی رستگاری حاصل کرنے والے ہیں۔ (سورۃ التغابن)

اس سے حرص کم ہوتی ہے۔ (جو کفر کی جڑ ہے) بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی و غمگساری کا صالح جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو جوہر انسانیت ہے۔ اور شخصی مفاد کی بجائے جماعتی بلند اغراض کے لیے ایثار و قربانی کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے، جو انسانیت کا سرمایہ افتخار ہے۔

و یوثرون علی انفسھم و لو کان بھم خصاصة۔

اور یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر حسن خلق اور تہذیب و تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے اور آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص خدا کی دی ہوتی دولت سے خدا کے بندوں اور آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص خدا کی دی ہوئی دولت سے خدا کے بندوں کا حق ادا نہیں کرتا۔ اس کا مال بھی ناپاک اور اس کا نفس بھی ناپاک ہے کہ خدا نے اس کو ضرورت سے زیادہ دولت عطا فرمائی مگر یہ اپنی خود غرضی زر پرستی اور احسان نا فراموشی کی وجہ سے اس کے احسان و امتنان کا حق ادا نہیں کرتا، ایسے شخص سے اور کسی خیر و خوبی کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

۳ غرباء و مساکین اور معذور لوگوں سے صحیح ہمدردی

انسانی معاشرہ کا یہی وہ مظلوم طبقہ ہے جس کے ساتھ ویسے تو تمام مذاہب نے ہمدردی ظاہر کی ہے اور ان کی تسکین کے لیے بڑے بڑے خوش آئند الفاظ بھی استعمال کیے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی کی زندگی کی تلخی محض الفاظ کی شیرینی سے دور نہیں ہو سکتی، جب تک اس کی تکلیف و مصیبت کو دور یا کم کرنے کے لیے کوئی عملی تدابیر اور چارہ جوئی نہ کی جائے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ پہلے اور آخری شخص ہیں جنھوں نے اس گروہ کے ساتھ (زکوٰۃ، خمس وغیرہ صدقات و خیرات کے ذریعہ) عملی ہمدردی ظاہر فرمائی ہے۔ اور اس طبقہ کی مصیبتوں کو کم کرنے کی عملی چارہ جوئی کی ہے۔ (جس کی تفاصیل بعد ازیں آرہی ہیں۔)

۴ مسئلہ معیشت کی اہمیت

انسانی معاش کا مسئلہ گو ہمیشہ سے ہر زمانہ میں افراد، جماعتوں، قوموں اور ملکوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ مگر موجودہ دور میں ضروریاتِ زندگی کی ہوشربا گرانی اور روز بروز کی بڑھتی ہوئی آبادی نے اس مسئلہ کو اور بھی زیادہ اہم اور پیچیدہ بنا دیا ہے اور اب تو رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسیدہ کہ لوگ روٹی کپڑا اور مکان کے نام پر ایمان کا سودا بھی کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ کر رہے ہیں۔ اور طالع آزما لوگ عام لوگوں کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں اور یہ لوگ ہیں کہ سراب کو آب سمجھ کر ان کے دام تزویر میں گرفتار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ المستعان۔

زکوٰۃ ادا کرنے کا ثواب

☼ خداوند عالم نے قرآن مجید میں جا بجا زکوٰۃ اور صدقہ دینے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔

❶ و یطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیرا۔
باوجود اپنی احتیاج کے۔ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (سورۃ دھر)

❷ مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة۔
جو لوگ خدا کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر ہر بالی میں سو سو دانہ ہوگا۔ (البقرة : ۲۶۱)

❸ و فی اموالھم حق للسائل و المحروم۔
ان اہلِ ایمان کے مال میں مانگنے اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے۔ (الذاریات)

❹ و مما رزقناھم ینفقون۔ (البقرة)
متقیوں کی ایک علامت یہ ہے کہ ہم نے ان کو جو روزی دی ہے اس سے کچھ (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

❺ الذین ینفقون اموالھم باللیل و النھار سرا و علانیة۔
اہل ایمان وہ ہیں جو رات اور دن میں پوشیدہ اور کھلم کھلا طور پر اپنے مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

۞ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں :

❶ ان اللہ سبحانه فرض اموال الاغنیاء افوات الفقر فما جاع فقیر الا بما منع غنی و اللہ تعالیٰ جدہ سائلھم عن فلك۔
خداوندعالم نے دولت مندوں کی دولت میں فقراء کی روزی فرض قرار دی ہے۔ جب بھی کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے تو مالدار کے حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے اور خدا تعالیٰ ضرور ان سے اس کی باز پرس کرے گا۔ (نہج البلاغہ)

❷ بکثرت روایات میں یہ مضمون وارد ہے کہ :
لو ان الناس ادوا زکوٰۃ اموالھم ما بقی فقیر محتاجًا۔
اگر لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے تو کوئی مسلمان فقیر باقی نہ رہتا۔ (کافی)

نیز یہ بھی وارد ہے :

❸ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :
و ان احب الناس الی اللہ اسخاھم کفًا و اسخی الناس من ادی زکوٰۃ ماله و لم یبخل بما افترض اللہ لھم من ماله۔
خدا کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب سخی ہے اور سب سے بڑا سخی وہ ہے جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنے میں بخل نہ کرے۔ (فقیہ)

❹ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک حج کرنا مجھے ستر غلام راہِ خدا میں آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے اور ایک غریب خاندان کے خورد و نوش کی کفالت کرنا ستر حج ادا کرنے سے مجھے زیادہ مرغوب ہے۔ (کافی)



﴿باب المتفرقات﴾

ترقی و پیش رفت قرآنی تعلیمات کی روشنی میں

تحریر: ثاقب اکبر

آج کی اس دنیا میں جونہی ترقی کا لفظ کانوں سے ٹکرائے، ذہن فوری طور پر اسے مادی ترقی یا MATERIAL DEVELOPMENT پر محمول کرتا ہے۔ ہم اس مقالے میں قرآن کی نظر میں ترقی کا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ ترقی کی اساس، شرائط اور حدود مرز کا کچھ ذکر کریں گے۔

پیش رفت میں فرد کی حیثیت

اسلام کی نظر میں تنہا معاشرے کی ترقی یا فقط فرد کی ترقی ملحوظ خاطر نہیں ہوتی، بلکہ فرد اور معاشرہ دونوں کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ اسلام کا یہ نظریہ نہیں کہ: ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اسلام کیونزم کے اس نظریہ و تصور کو قبول نہیں کرتا کہ معاشرہ اصل ہے اور فرد کی کوئی حیثیت اس سے جدا نہیں ہے۔ اسلام جہاں معاشرے کی اہمیت و اصالت کا قائل ہے وہاں فرد کو بھی اصالت بخشتا ہے۔ ایسا نہیں کہ معاشرے کو اہمیت دے اور فرد کی ذات کی نفی کر دے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

❶ ان السمع و البصر و الفؤاد کل اولئك کان عنه مسئولا۔

کان، آنکھ اور دل کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ ہر کوئی اپنا وزن خود اٹھائے گا۔

❷ لا تزر وازرة وزر اخریٰ

کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

❸ سورۂ بقرہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

لا یقبل منها عدل

کسی شخص سے بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

❹ نیز یہ بھی فرمایا:

و لا یؤخذ منها عدل۔

کسی شخص سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔

❺ سورۂ انعام کی یہ آیت بھی اسی مفہوم کی حامل ہے:

و ان تعدل کل عدل لا یؤخذ منها۔

اور اگر وہ جس قدر معاوضہ بھی دینا چاہے تو اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

❻ سورۂ لقمان کی بھی ایک آیت ملاحظہ فرمایئے:

یا ایها الناس اتقوا ربکم و اخشوا یوما لا یجزی والد عن ولده و لا مولود هو جاز عن والده شیئا۔

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، اس دن کے بارے میں جب والد اپنے بیٹے کی طرف سے کوئی بدلہ دے پائے گا نہ بیٹا اپنے والد کے لیے کوئی چیز بطور بدلے کے دے سکے گا۔

۵ ہر شخص اپنے مقام پر خود مسئولیت رکھتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته۔

تم میں ہر کوئی کسی کی رعایا بھی ہے اور ہر کوئی اپنی رعایا کا جواب دہ بھی ہے۔

ترقی اجتماعی حیثیت سے

فرد بھی ایک حقیقت رکھتا ہے۔ ایک حیثیت کا مالک ہے۔ معاشرہ بھی ایک حیثیت و واقعیت سے بہرہ ور ہے۔ جہاں ایک انسان کے لیے قرآن گویا ہے:

۱ وان لیس للانسان الا ما سعی

انسان کے لیے فقط وہی کچھ ہے جس کے لیے اس نے کوشش کی۔

وہاں قوم و ملت کے لیے ارشاد ہے:

۲ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم

بے شک اللہ کسی قوم (اور ملت) کی سرنوشت کو نہیں بدلتا، مگر یہ کہ وہ خود اسے تبدیل کریں۔

فرد کی ترقی اور معاشرے کی ترقی ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ مغرب کی آزاد معیشت کا تصور اگر یہ ہو کہ فرد کی ایسی آزادی کو اسلام قبول نہیں کرتا اور اور نہ ہی فرد کی بالکل نفی کا قائل ہے۔ اسلام میں ترقی کا تصور فرد اور معاشرے دونوں کی ترقی سے عبارت ہے۔ اسلام فرد فرد کر کے تربیت کرتا ہے۔ ہر کسی کو انفرادی مسئولیت کے احساس کے ساتھ اجتماعی شعور دے کر پروان چڑھاتا ہے۔ اس طرح سے ایک احساسِ ذمہ داری رکھنے والے معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے۔ دنیا و آخرت کی بھلائی قابل ذکر ہے کہ اسلام میں معاشرے کی اکائی خاندان ہے اور خاندان کی اکائی فرد ہے۔ چونکہ اسلام انسان کی اس دنیاوی زندگی پر اس کے خاتمے کا قائل بلکہ اس کے بعد بھی اس کی حیات کا قائل ہے، لہذا جب اسلام ترقی کی بات کرتا ہے تو دونوں جہاں کی سعادت پیشِ نظر رکھتا ہے۔ دونوں جہان کی سعادت کی ضمانت دیتا ہے۔ دونوں جہان کی ترقی و بھلائی کی بات کرتا ہے۔ اسلام ان تمام نظریات سے بالاتر ہے جو انسانی آنکھ بند ہونے کے ساتھ ہی اس کی ترقی اور پیش رفت کو موقوف سمجھتے ہیں۔

بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو دونوں جہان کی سعادت و خوش بختی چاہتے ہیں۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار۔

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی اچھائی اور بھلائی سے نواز اور آخرت میں بھی بھلائی اور خیر عطا کر اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچالے۔

لیکن جو فقط اسی دنیا کو چاہتے ہیں قرآن کے نزدیک آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں۔ ارشاد ربُ العزت ہے:

فمن الناس من یقول ربنا آتنا فی الدنیا و ماله فی الآخرة من خلاق

پس بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے رب ! ہمیں دنیا میں عطا کر ایسا کہنے والے کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

یہ لوگ اگرچہ آخرت کی نفی کر رہے ہیں لیکن انھیں خدا نے دنیا طلبی پر محروم نہیں رکھا۔ آخرت کو نظر انداز کرنے کے باوجود دنیا میں ان کے حصے کی نفی نہیں ہوئی۔ دنیا میں بھی یہ لوگ ترقی کی کچھ منازل طے کرتے ہیں۔ لیکن یہ ترقی زودگذر اور جلد نابود ہوجانے والی ہے۔ اس کا خاتمہ جلد ہوجانے والا ہے۔ بہرحال جن لوگوں نے اپنی ترقی کی بنیاد آخرت کی نفی پر رکھی ہے وہ بھی کچھ نہ کچھ اس دنیا میں حصہ پاتے ہیں اور ترقی حاصل کرتے ہیں۔

قوموں کی حیات و موت

اسلام فقط جسم کے عنوان سے نہ معاشرے کو دیکھتا ہے اور نہ ہی فرد کے بارے میں یہ نظر رکھتا ہے۔ قرآن نے فرد کی موت کا ذکر کیا ہے تو قوموں کو بھی اس سے مستثنی قرار نہیں دیا۔ کل نفس ذائقة الموت کے تحت اگر فرد موت سے ہمکنار ہوتا ہے تو قرآنی رو سے معاشرے کو بھی اس سے فرار نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

ماتسبق من امة اجلها و مایستاخرون۔

کوئی قوم وقت سے پہلے اپنے انجام کو نہیں پہنچتی اور نہ ہی وقت آنے پر اس میں تاخیر ہوسکتی ہے۔

جب کسی قوم کی موت آن پہنچتی ہے تو پھر نہ لمحہ بھر پہلے آتی ہے اور نہ ہی لمحہ بھر مؤخر ہوتی ہے۔ فرد کی حیات کا ذکر کیا ہے تو قوم کی حیات کا بیان بھی ہے۔ گویا قوم بھی روح رکھتی ہے، معاشرہ بھی روح رکھتا ہے اور فرد بھی ایک روح رکھتا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ فرد کی ایسی نشو و نما ہو کہ خود بھی ایک امت ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی گئی ہے:

ان ابراهیم کان امة۔ ابراہیمؑ ایک امت تھے۔

ابراہیم ایک امت تھے۔ یعنی ایک فرد بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی سوچ اجتماعی تھی۔ ان کی ساری جد و جہد اجتماعی تھی۔ وہ سارے معاشرے کی بھلائی چاہتے تھے۔

جہانِ علت و معلول

آیا ترقی سے متعلق قرآنی و دینی نظریہ مادی ترقی کی نفی پر استوار ہے یا دنیا کی مادی ترقی اور اسباب کو بروئے کار لانے کا دین حکم دیتا ہے؟۔ اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة..... نیز لیس للانسان الا ما سعی یا پھر ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم-----

یہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام جد و جہد پر زور دیتا ہے۔ محنت و کوشش کی ترغیب دلاتا ہے۔ تن کو تقدیر کے زندان میں بند کرنے سے روکتا ہے۔ تقدیر کی بھل بھلیوں میں گم ہو کر بیکاری اور سستی کی راہیں ڈھونڈنے پر شدید مذمت کرتا ہے۔

مولانا الطاف حسین حالی نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں خوب کہا ہے: ؎

نہیں کرتے کھیتی میں جو جانفشانی
نہ ہل جوتتے ہیں نہ دیتے ہیں پانی

یہ جب یاس کوتی ہے ان پہ گرانی
تو کہتے ہیں حق کی ہے نا مہربانی

نہیں لیتے کچھ کام تدبیر سے وہ
سدا لڑتے رہتے ہیں تقدیر سے وہ

اسلامی مُتکلّمین اور حُکماء نے قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات اخذ کر کے لکھی ہے کہ یہ جہان عِلّت و معلُول کا جہان ہے۔ سبب اور مُسبّب کی دنیا ہے۔ اسباب بروئے کار لائے جائیں۔ جد و جہد کی جائے۔ انسان کا فاعل مُختار ہونا، حسن و قبح عقلی کا قبول کرنا اور سبب و مُسبّب کا قبول کرنا۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلام عدم جد و جہد کی نفی کرتا ہے۔ کاہل دستی کی شدید مذمت کرتا ہے۔ بیکاری سے منع کرتا ہے۔ جد و جہد کی دعوت دیتا ہے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان ہے:

الکاسب حبیب اللہ محنت کش (کمانے والا) اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں ایک روایت ہے کہ آپؐ نے ایک مزدور کا ہاتھ دیکھا تو اسے چوم لیا۔ اسی طرح نبی پاکؐ کی بیٹی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا تلاوتِ کلامِ پاک کرتے ہوئے چکی کا پیسنا۔ ع

آسیا گردان ولب قرآن سرا

نیز قرآن کا یہ کہنا کہ دشمن کے مقابلے میں اپنی تیاری مکمل کر لو۔ گھوڑے تیار رکھو۔ اسلحے سے لیس ہو جاؤ۔

و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل۔

اور دشمن کے خلاف جس قدر قوت ممکن ہو سکے مُہیا کیے رکھو اور گھوڑے بھی تیار رکھو۔

رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دشمن سے مقابلے کے لیے باہر نکلنا، جہاد کے لیے میدانِ جنگ میں جانا، بڑھ بڑھ کر دشمن پر وار کرنا، ان کا ترقی اور جد و جہد کی طرف اپنی قوم کو دعوت دینا، غربت و افلاس اور فقر و محرومی کے خلاف برسرِ پیکار رہنے کا حکم دینا۔ ان سب سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اسلام سبب و مُسبّب اور کوشش و جد و جہد پر یقین رکھتا ہے۔ قرآن میں مُتعدد ایسی آیات ہیں جو تلاشِ پیہم کی دعوت دیتی ہیں اور کائنات پر حاکم عِلّت و معلُول کے قانون کی گواہی دیتی ہیں۔ مثلاً حضرت ذوالقرنین سے مُتعلّق سورۃ کہف کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں:

انا مکنا لہ فی الارض و اتیناہ من کل شئ سببا فاتبع سببا۔

جب ہم نے اس (ذوالقرنین) کو زمین پر اقتدار عطا کیا اور اسے تمام تر اسباب مُہیا کیے تو وہ ان اسباب کو بروئے کار لایا۔

انھوں نے سبب کی پیروی کی عِلّت کو بروئے کار لائے۔ اسباب کائنات کو برتا۔ اسباب و دنیا کے ذریعے مظلُوم قوم کی مدد کی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ کس قدر ترقی

یافتہ تھے اور وہ مظلوم قوم نہ جانتی تھی کہ کس طرح سے اپنا دفاع کرے۔

معاشرتی پیش رفت قرآنی مثال

حضرت سُلیمان علیہ السلام کی مملکت بھی اپنے دور کی ترقی یافتہ ترین مملکت تھی۔ ان کے دربار میں ایک شخص تھا جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

قال الذی عندہ علم من الکتاب

اس شخص نے جس کے پاس الکتاب میں سے علم تھا کہا۔۔۔

قران میں مُتعدد جگہوں پر الکتاب سے مراد کتاب کائنات لیا گیا ہے۔ یہ آیات کائنات کے لا یتغیر قوانین اور اصولوں پر دلالت کرتی ہیں۔

یہاں پر بھی کتاب سے مراد معمولاً جو ہم تصور کرتے ہیں وہ نہیں بلکہ قرآن کا اپنا تصور کتاب ہے۔ کتاب یعنی لکھے گئے قوانین کا مجموعہ۔ گویا ایسے محکم قوانین جو کائنات پر حکم فرما ہیں۔ کائنات پر غور کرنا اصولوں کو دریافت کرنا، قوانین کو اخذ کرنا اسے آپ سائنس کہیں یا کسی بھی نام سے موسوم کریں، بہر حال انہی قوانین کو کشف کرکے ان کی مدد سے تخت بلقیس کو اٹھا لایا گیا۔ اسی طرح جب وہ ملکہ آئی اور حضرت سُلیمان علیہ السلام نے اپنی جدید ٹیکنالوجی کا اس طرح سے بھی تعارف کروایا کہ ایک مقام کی سیر کو لے گئے۔ جب اس میں داخل ہونے لگے تو ملکہ نے آگے پانی سمجھتے ہوئے پنڈلیوں تک اپنا لباس اٹھا لیا۔ جب کہ وہ پانی نہ تھا، بلکہ شیشہ تھا۔ قرآن کے الفاظ میں:

قیل لها ادخلی الصرح فلما راته حسبتة لجة و کشفت عن ساقیها قال انه صرح ممرد من قواریر۔

بلقیس سے کہا گیا: محل میں چلیے۔ جب اس کی نظر محل میں شیشے کے فرش پر پڑی تو سمجھی کہ پانی کا حوض ہے۔ وہاں سے گزرنے کے لیے اس نے پائنچے اس طرح سے اٹھائے کہ اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ یہ دیکھا تو سُلیمان علیہ السلام نے کہا یہ تو شیش محل ہے۔ جس کے فرش میں بھی شیشے جڑے ہوئے ہیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سُلیمان علیہ السلام کی حکومت کس قدر ترقی یافتہ تھی کہ اس وقت کی ایک ملکہ ان کی ترقی کو نہ سمجھ سکی اور ان کی علمی طاقت سے مرعوب ہوگئی۔ سُلیمان علیہ السلام ایک ایسے بادشاہ تھے جو ایک چیونٹی پر بھی ظلم روا نہ سمجھتے تھے۔ یعنی کسی کمزور ترین مخلوق پر بھی اپنی بادشاہت کا رعب نہیں جمانا چاہتے تھے۔ قرآن اس سلسلے میں گویا ہے:

حتی اذا اتوا علی واد النمل قالت نملة یا ایها النمل ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم سلیمان و جنودہ و هم لا یشعرون۔

جب سُلیمان علیہ السلام کا کاروان چیونٹیوں کی ایک وادی تک پہنچا تو ایک چیونٹی پکاری: اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ۔ کہیں سُلیمانؑ اور اس کا لشکر تمھیں روند نہ ڈالے اور انھیں پتا بھی نہ چلے۔

فتبسم ضاحکا من قولها و قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علی و علی والدی و ان اعمل صالحا ترضه و ادخلنی برحمتك فی عبادك الصالحین۔

چیونٹی کی اس بات پر سُلیمانؑ مُسکرائے اور کہنے لگے : اے میرے رب ! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تونے مجھ پر اور میرے والدین پر کیں اور ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور اپنی رحمت سے تو مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔

حضرت سُلیمان علیہ السّلام کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ترقی کے خواہاں تھے لیکن ایسی ترقی جو کسی قوم کے استحصال پر اور ظلم و زیادتی پر مبنی نہ ہو۔

نیشنلزم اور اسلام کے تصور میں فرق

لہذا نیشنلزم کا یہ تصور کسی صورت اسلام کو قبول نہیں کہ جس میں ایک قوم کی ترقی کی خاطر دوسری قوموں کو لوٹ لیا جائے، ظلم و تشدد کیا جائے، منافقت، دھونس اور دھاندلی سے کام لیا جائے۔ کسی کو سر اٹھانے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس طرح سے اپنی ترقی و تہذیب کو استوار کرنے کو قرآن و سنت نے رد کیا ہے۔ اسلام قطعًا ایسی ترقی کی اجازت نہیں دیتا۔

اسلام جس ترقی و پیش رفت کی خواہش رکھتا ہے، اس کی بنیادیں عدل و تعاون پر قائم ہیں۔ قرآن ان لوگوں کو معاشرے میں رہبریت کا حق دیتا ہے جو شجاعت، علم و تقویٰ اور بصیرت میں دوسروں سے ممتاز ہوں۔ لوگوں نے خدا کے نبی حضرت داؤد علیہ السّلام سے اِستِفسار کیا کہ آپ نے طالوت کو ہمارا لیڈر کیوں منتخب کیا؟ تو انھوں نے طالوت کے انتخاب کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا :

قال ان اللہ اصطفاہ علیکم و زادہ بسطۃ فی العلم و الجسم۔

اس (نبیؑ) نے کہا : اسے خدا نے علم اور جسمانی طاقت میں تم سے برتری کی بنیاد پر منتخب کیا ہے۔

خدا نے ان کا انتخاب علم و شجاعت کی بنا پر کیا ہے۔ یعنی طالوت اندھی طاقت نہیں رکھتے، بلکہ آنکھوں والی طاقت رکھتے ہیں۔ علم کا نور بھی ان کے ساتھ ہے۔ اسلام اس طرح کی قیادت معاشرے پر چاہتا ہے۔ یعنی افراد کی تربیت یوں ہو، اور ان کے درمیان مقابلہ علم، شجاعت اور تقویٰ کی بنیاد پر ہو۔ ایک نسل کا دوسری نسل کے ساتھ اور ایک رنگ کا دوسرے رنگ کے ساتھ ٹکرا کر آگے بڑھنے اور ترقی و پیش رفت کرنے کی اسلام پرزور مذمت کرتا ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

تم میں سے زیادہ مکرم اور گرامی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ مُتقی ہے۔

اس بارے میں علمبردار توحید رسُول اکرمؐ کا یہ ارشاد بجا طور پر بہت شہرت رکھتا ہے :

ایھا الناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد کلکم لآدم و اٰدم من تراب ان اکرمکم عند اللہ اتقکم و لیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ

اے انسانو ! یقینًا تُمھارا رب ایک ہے اور تُمھارا باپ ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اللہ کے نزدیک زیادہ شرف اسے حاصل ہے جو تم میں سے مُتقی زیادہ ہے اور کسی عربی کو کسی عجمی پر

فضیلت صرف تقویٰ سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اسلام رنگ و نسل کی تمیز سے بالاتر ہو کر ترقی و پیش رفت چاہتا ہے۔ اسلام کسی ایک نسل کی ترقی نہیں بلکہ ہمہ گیر آفاقی ترقی، تمام نسلوں کی ترقی، نوعِ بشر کی ترقی کا خواہاں ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو جو مغربی نظریہ قومیت کے اسیر ہو چکے ہیں بقول حکیم الامت یہ پیغام دیتا ہے :

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا

عدل۔۔۔ پائیدار ترقی کا ضامن

ایسی ترقی جس کی بنیادیں عدل و قسط پر قائم ہوں، اگر حکومت قائم ہو تو عدالت اجتماعی کے تقاضوں کے عین مطابق ہر شعبۂ حکومت میں عدل و انصاف حکم فرما ہو۔ قرآن حکیم نے اس سلسلے میں بہت ساری جگہوں پر منشائے الٰہی بیان فرمایا ہے۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمانِ خداوندی ہے :

یا داؤد انا جعلناك خليفة فی الارض فاحكم بين الناس بالحق و لا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل الله۔

اے داؤد! ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا۔ پس تو لوگوں کے مابین حق کے مطابق حکم کر اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کر کہ یہ تو تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

ہم نے تمھیں حکومت اس لیے دی کہ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے عدل و قسط کے قوانین سب پر برابر لاگو ہوں۔ قانون سب کے لیے مساوی ہو۔ تمیز و تفاوت معاشرے میں ناپید ہو۔ اس طرح قرآن ایک پائیدار اور حقیقی ترقی کی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اسلام کھوکھلی اور نمائش اور چند افراد یا چند خاندانوں کی ترقی کی ترقی قرار نہیں دیتا۔ تمام انسانوں کی ترقی، انسانی اقدار پر استوار ترقی، ہمہ گیر و آفاقی ترقی اسلام کے پیشِ نظر ہے۔ اسلام ایسی تہذیب بناتا ہے جس میں صدیوں سے مستحکم اور قائم رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

ابتدائی دنوں میں امت اسلام کا یہ حال تھا کہ جنگ احزاب میں اگر لوگوں نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھا تھا تو نبی پاکؐ نے دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ جد و جہد کرتے رہے، یہاں تک کہ بعض روایات میں ہے کہ جب فتح خیبر ہوئی تو مدینے میں بچے سونے کی ڈلیوں سے کھیلتے تھے۔ اگرچہ یہ مبالغہ ہی کیوں نہ ہو، تاہم حالات کی تبدیلی اور ترقی کی حکایت ضرور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر کے دور میں یہ حالت تھی کہ لوگ زکوٰۃ دینا چاہتے تھے لیکن مدینے میں کوئی ایسا آدمی نہیں ملتا تھا جو زکوٰۃ لینے کا مستحق ہو۔ یعنی اسی تنگ دست و فقیر معاشرے کو رسول اللہؐ نے اور ان کے رفقاء نے اسلام کے پیش کردہ اصولوں کے تحت معاشرے کو اس قدر استحکام و ترقی عطا کردی کہ لوگ خوشحال زندگی گزارنے لگے۔ گویا ترقی و پیش رفت کا اسلام خواہاں ہے۔ البتہ اس کے لیے اس کے اپنے اصول ہیں۔

اسلام دنیا کے حصول کا ایسے قائل نہیں جس سے آخرت کی نفی ہوتی ہو اور نہ کسی ایسی آخرت کا قائل ہے جس سے دنیا کی نفی لازم آئے۔

الدنيا مزرعة الآخرة۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

آخرت اس دنیا سے ہو کر گزرتی ہے۔ دنیا کی ترقی و پیش رفت تقویٰ و عدالت الٰہی کی بنیاد پر ہو تو آخرت میں بھی یہ انسان کے لیے مفید و مَنفعت بخش ہے، وگرنہ فقر و تنگ دستی کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کاد الفقر ان یکون کفراً

فقر کفر (کا باعث) بن جائے گا۔

ایسا معاشرہ اور ملک جو خود فقیر ہو وہ دوسروں کے سامنے نہ سر اٹھا کر بات کر سکتا ہے، نہ عزت و آبرو رکھتا ہے۔ جب دوسروں کے مُحتاج ہوں گے تو پھر شرائط بھی انہی کی ہوں گی۔ صحیح اسلامی معاشرہ وہ ہے جو جرأت، ہمت، محنت، مُشقت اور ایمان کی دولت کے ساتھ ترقی پیش رفت کرے۔ تمام مادی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اپنے قدم جمائے۔ انسان کی دشمن اِستحصالی طاقتوں کے ظالم خونی پنجوں سے نجات حاصل کرے۔ کائنات پر حاکم قوانین کا اِستخراج کرے اور اسبابِ کائنات کو بروئے کار لا کر زندگی کے ہر میدان میں اپنے حریفوں کے سامنے سِینہ سپر ہو جائے۔

(بشکریہ رسالہ توحید اسلام آباد)

گھر میں اذان

ایک شخص نے امام علی رضاؑ کے پاس اپنی بیماری اور عدم اولاد کی شکایت کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ اپنے گھر میں بلند آواز سے اذان پڑھا کرو۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے اس طرح کیا تو اللہ نے میری بیماری دور کر دی اور کثرت سے اولاد دی۔ (سفینۃ الاولیاء)

بقیہ: امامت نبوت سے افضل عہدہ ہے

اسی طرح سے ان کے اصول بدلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اب انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے۔ تاکہ وہ اس طرہ سے مغرب کے جمہوری نظام کے سامنے سرخروئی حاصل کر سکیں۔

خلافت کے بارے میں غور طلب امور

تمام انسانوں کی خلافت کے بارے میں جن آیات کو دلیل بنایا گیا ہے ان میں سے ایک آیت تو ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا بیان ہوا ہے۔ دوسری آیت وہ ہے جس میں داؤد علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا ذکر ہے۔ اور تیسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں مختلف اقوام کے بارے میں خلفاء، خلائف، مستخلفین، یستخلفکم اور لیستخلفنھم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ان ساری آیات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ خدا نے انسانوں کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ لہذا اب تحقیق طلب امور یہ ہیں:

1. کیا واقعاً خدا نے آدمؑ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا؟
2. کیا واقعاً داؤدؑ خدا کے خلیفہ تھے؟
3. کیا واقعاً ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے؟

اب ہم ان امور کے بارے میں علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت غور کرتے ہیں اور ان سوالات کا جواب قرآن سے تلاش کرتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

آخبارِ غم

۱ دارالعلوم محمدیہ بلاک نمبر ۱۹ سرگودھا کے سابق مدرس اور گلستان حیدریہ کوٹ فرید کے خطیب جناب مولانا غلام حیدر رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ مرحوم نہایت شریف النفس اور نیک عالم دین تھے اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازے۔

۲ ملک الطاف حسین اعوان آف چک نمبر ۱۸ شمالی تحصیل بھلوال اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

۳ جناب مرید حسین صاحب آف ادبھل ضلع بھکر کے والد گرامی رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

فرمان امیرالمؤمنین علیہ السلام

یقیناً تقویٰ تمہارے دل کی بیماریوں کا شفا دینے والا دارو ہے اور تمہارے نابینا دل کو روشنی دینے والا ہے اور تمہارے بدن کی بیماریوں کے لیے شفابخش ہے اور تمہارے سینے کے فساد کا اصلاح کرنے والا ہے اور تمہارے نفس کی کثافتوں کو پاک کرنے والا ہے اور تمہاری دید کے پردوں کو جلا بخشنے والا ہے اور تمہارے اندرونی اضطرابات کو آرام دینے والا اور تمہاری تاریکیوں کو روشن کر دینے والا ہے۔

نمازِ وسعتِ رزق

دو رکعت نماز پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ حمد کے بعد سورۂ کوثر تین بار اور دوسری رکعت میں سورۂ حمد کے بعد سورۂ فلق اور سورۂ الناس تین تین بار پڑھے اور بعد ازاں خدا سے وسعتِ رزق کا سوال کرے۔

(قوانین الشریعہ)

اھلِ ایمان کے لیے عظیم خوش خبری

ہم انتہائی مَسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ مُنصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

❶ **فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن** کی مکمل دس جلدیں موجودہ دَور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادران اِسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔

❷ **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال وعبادات اور چہاردہ **معصُومِین** کے زیارات، سر سے لے کر پاؤں تک جُملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مُشتمل مُستند کتاب مُنصۂ شہود پر آگئی ہے۔

❸ **اعتقادات امامیہ** ترجمہ **رسالہ لیلیہ** سرکار علامہ مجلسی جو کہ دو بابوں پر مُشتمل ہے۔ پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے کام اِنفرادی اور اجتماعی اعمال وعبادات کا تذکرہ ہے۔ تیسری بار بڑی جاذبِ نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہوکر منظرِعام پر آگئی ہے۔ ہدیہ صرف تیس روپے۔

❹ **اثبات الامامت** آئمۂ اثنا عشر کی امامت و خلافت کے اثبات پر عقلی و نقلی نصوص پر مُشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن۔

❺ **اصول الشریعۃ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔ ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔

❻ **تحقیقات الفریقین** اور

❼ **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔

❽ **قرآن مجید مترجم** اردو مع **خلاصۃ التفسیر** مُنصۂ شہود پر آگئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔

❾ **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرھویں جلد بہت جلد بڑی آب و تاب کے ساتھ قوم کے مُشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔

❿ **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان و شکوہ کے ساتھ منظرِعام پر آگیا ہے۔

منجانب : **منیجر مکتبۃ السبطین**

296/9 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

Registered No. (G) H.C/722

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا میں

حسب سابق امسال بھی 20 جون 2010 تا 10 جولائی 2010

پروگرام اسلام شناسی

کا انعقاد کیا جا رہا ہے جس میں

میٹرک ایف اے سطح تک کے
طلبا کی دینی اور ذہنی تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے
داخلہ کے خواہش مند طلبا درج ذیل پتے پر رابطہ کریں

نوٹ شامل ہونے والے طلبا موسمی بستر ہمراہ لائیں

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا فون 048-3021536